رہنمائے اساتذہ

برائے

او لیول فرسٹ لینگویج

اُردو

فیض الدین احمد

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

تعارف

او لیول ''فرسٹ لینگویج '' اُردو کی یہ رہنمائے اساتذہ دراصل اساتذہ اور طلبا کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ جس کا بنیادی مقصد اساتذہ کو اُردو اسباق کی تدریس میں مدد فراہم کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سبق کے تدریسی نکات شروع ہی میں دیے گئے ہیں۔ چونکہ اُردو کی کتاب کو سات حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے لہٰذا وہ ترتیب رہنمائے اساتذہ میں بھی برقرار رکھی گئی ہے جبکہ حصّہ نظم سے پہلے ایک مضمون ''چند شعری اصطلاحات اور ان کا مفہوم'' کتاب میں شامل کیا گیا ہے تاکہ طلبا شعری اصطلاحات کے استعمال سے واقف ہوسکیں۔ نظم اور غزل کے حصّوں میں شامل پورے کلام کی تشریحات دی گئی ہیں۔ چونکہ مضمون '' تکیہ کلام'' اور ''گوری سیج پر سوئے ...... اور مُکھ پر ڈارے کیس'' اشاعت کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے کتاب میں شامل نہیں کیے جاسکے ہیں۔ لیکن ان دونوں اسباق کے تدریسی نوٹس اس کتاب میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تمام مضامین کے آخر میں نظیر اکبر آبادی کی نظم ''در صفتِ قناعت'' بھی شامل کی گئی ہے تاکہ ان اساتذہ یا طلبا کو یہ کمی محسوس نہ ہو جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نظم نصاب کا حصّہ ہے۔

او لیول فرسٹ لینگویج اُردو کا امتحان دو حصّوں میں لیا جاتا ہے۔ پرچہ اوّل میں سماجی اور معاشرتی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے طلبا کی لسانی نشوونما کے لیے اقتباسات کی مدد سے موازنے اور تقابلی جائزے کی صلاحیت کو اُبھارا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس پرچے کے ذریعے طلبا بہت مختصر انداز میں اظہارِ خیال پر قدرت حاصل کرلیتے ہیں۔ ۵۰ نمبر کا پرچہ اوّل پڑھنے اور لکھنے کا ہے جس کا دورانیہ ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔ اس پرچے میں دو اقتباسات کے بارے میں دو دو سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ دونوں اقتباسات کے نمبر مساوی ہیں۔ پرچہ دوم نثر اور نظم کے دو حصّوں پر مشتمل ہے جس کے ہر حصّے سے کم از کم ایک سوال کا جواب دینا لازمی ہے۔ ۵۰ نمبر کے اس پرچے کا دورانیہ بھی ڈیڑھ گھنٹہ ہے۔ نثر کے حصّے میں اقتباس اور مضمون کے حوالے سے پانچ سوالات دیے جاتے ہیں۔ طلبا کو اقتباس اور مضمون کے ایک ایک سوال کا جواب دینا لازمی ہے۔ سوال کا جواب لکھنے سے پہلے طالب علم کو پہلے وہ اقتباس پڑھنا ہوگا اور پھر اس کا جواب لکھنا ہوگا۔ تمام سوالات کے نمبر مساوی ہیں۔

امید ہے کہ اس رہنمائے اساتذہ کی مدد سے او لیول فرسٹ لینگویج اُردو کی نصابی کتاب کی تدریس کافی آسان ہو جائے گی۔

فہرست

افسانہ نگاری : ۱

- عید گاہ.. ۲
- نیا قانون.. ۴
- جوتا.. ۶
- بادل.. ۸
- دستک ۱۰

- چند شعری اصطلاحات اور ان کا مفہوم ۱۲

نظم :.. ۱۶

- قناعت : (نظیر اکبر آبادی) ۱۷
- مسدّسِ حالی: (الطاف حسین حالؔی) ۲۲
- اگر مذہب گیا : (اکبر الٰہ آبادی) ۲۶
- طلوعِ اسلام : (علّامہ اقبالؔ).. ۳۰
- او دیس سے آنے والے بتا : (اختر شیرانی)................................ ۳۳
- بول: (فیض احمد فیض).. ۴۱

غزل : ۴۴

- میر تقی میؔر : ۴۵

غزل نمبر ۱: جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا ۴۶

غزل نمبر ۲: اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا ۵۰

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

- مرزا غالبؔ : ۵۶

غزل نمبر۱: یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا ۵۷

غزل نمبر۲: ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ ''تو کیا ہے'' ۶۱

- حکیم مومن خان مومنؔ : ۶۵

غزل نمبر۱: اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا ۶۶

غزل نمبر۲: وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو.............. ۷۰

- علّامہ اقبالؔ : ۷۴

غزل نمبر۱: کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد ۷۵

غزل نمبر۲: تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ ۷۷

- فیض احمد فیضؔ : ۸۰

غزل نمبر۱: کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہات میں تیرا ہات نہیں ۸۰

غزل نمبر۲: ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن، نہ تھی تری انجمن سے پہلے ۸۲

- ناصرؔ کاظمی : ۸۴

غزل نمبر۱: دل میں اِک لہر سی اُٹھی ہے ابھی ۸۵

غزل نمبر۲: کچھ یادگارِ شہرِ ستم گر ہی لے چلیں ۸۷

مضامین : ۸۹

- انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا : (مولانا محمد حسین آزادؔ) ۹۰
- مردہ بدستِ زندہ : (مرزا فرحت اللہ بیگ) ۹۲
- مرحوم کی یاد میں : (پطرس بخاری) ۹۴
- تکیہ کلام : (شفیق الرحمٰن) ۹۵

سفرنامے : ۹۷

- کچھ قصّہ دال چپاتی کا : (ابنِ انشا).. ۹۸
- گوری سوئے سیج پر...... اور مُکھ پر ڈارے کیس : (مستنصر حسین تارڑ) ۱۰۰

ڈرامہ : ۱۰۲

- انارکلی (منظر سوم) : (امتیاز علی تاج) ۱۰۳

ناول : ۱۰۶

- مراۃُ العروس : (ڈپٹی نذیر احمد).. ۱۰۷
- دستک نہ دو : (الطاف فاطمہ) ۱۱۲
- درصفتِ قناعت : (نظیر اکبر آبادی) ۱۱۷
- فرہنگ ۱۲۵

افسانہ نگاری

افسانہ، ناول کی ارتقائی شکل ہے۔ دورِ جدید میں انسان کی مصروفیت میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں کی طرح اس کا اثر ادب پر بھی پڑا۔ افسانہ مختصر کہانی کی وہ شکل ہے جس کے لیے انگریزی میں short story کا نام استعمال ہوتا ہے۔ اختصار افسانے کی بنیادی خوبی ہے لہٰذا اس صنف میں کسی خاص کردار، واقعہ یا تجربے پر افسانہ نگار کی توجہ مرکوز رہتی ہے۔ اس میں زندگی کے کسی ایک پہلو پر توجہ دی جاتی ہے جس سے وحدت تاثر قائم رہتا ہے۔

افسانے میں پلاٹ بھی ضروری چیز ہے۔ اسی کے ذریعے واقعات میں ترتیب پیدا کی جاتی ہے۔ پلاٹ کے ذریعے ہی کہانی آغاز، سے ارتقا، عروج اور پھر اختتام کی جانب بڑھتی ہے۔ افسانے میں کرداروں کی بھرمار بھی نہیں ہوتی۔ اس کے موضوعات معاشرے میں بکھرے ہوئے وہ واقعات ہیں جو ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے پیش آتے ہیں۔ افسانہ نگار عموماً زندگی کے جس پہلو کو اپنے لیے اہمیت کا حامل سمجھتا ہے اسے افسانے کا موضوع بنا لیتا ہے۔

افسانے کو منفرد بنانے میں اسلوب بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ مکالمے کا لب و لہجہ اور فطری انداز اسلوب میں جان ڈال دیتے ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت سے زبان و بیان کا استعمال اسلوب کو جاندار بناتے ہیں۔ سماجی رتبے اور مقام و مرتبے کے لحاظ سے مکالموں کی زبان بھی وقت اور حالات کے تحت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ افسانے میں منظرکشی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ پلاٹ اور کرداروں کے لحاظ سے ماحول اور منظر کی عکاسی کی جاتی ہے۔ افسانے کی ایک اور ضروری چیز مقصد کا حصول ہے۔ افسانہ نگار اشارے کنائے میں اپنا مقصد قاری کے ذہن میں ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ افسانے کی فضا، کردار اور ماحول پر بالعموم مقامی رنگ کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے افسانے کا کینوس بڑا محدود ہوتا ہے۔ اکثر نقادوں نے اس صنف کو غزل سے مشابہ قرار دیا ہے۔

اُردو میں افسانہ نگاری کی روایت کچھ زیادہ قدیم نہیں۔ سجّاد حیدر یلدرم اور پریم چند کو اوّلیت کا سہرا حاصل ہے۔ علی عباس حسینی، سلطان حیدر جوش اور اعظم کریوی نے پریم چند کی اصلاح پسندانہ روایت کو آگے بڑھایا۔ فنی لحاظ سے "انگارے" میں سجّاد ظہیر، رشید جہاں، محمود الظفر اور احمد علی نے

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

پہلی بار افسانے میں مغربی افسانے کی تیکنک استعمال کی۔ ترقی پسند تحریک نے افسانے کو ایک نیا رُخ عطا کیا۔ کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی اور اختر حسین رائے پوری وغیرہ کے یہاں اس تحریک کے اثرات نمایاں ہیں لیکن اس تحریک کے خلاف ردِّعمل بھی سامنے آیا۔ تیس اور چالیس کی دہائی میں اُردو افسانہ اپنی مقبولیت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ منٹو، بیدی، عصمت چغتائی، ممتاز شیریں وغیرہ نے بہت زبردست افسانے لکھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انتظار حسین، غلام عباس، قرۃ العین حیدر، ممتاز مفتی، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، ابوالفضل اور رام لعل وغیرہ نے اس صنف کو مزید بلندیوں سے روشناس کرایا۔

- طلبا سے افسانہ نگاری کی تعریف دریافت کریں۔ اس کے مختصر تعارف کے بعد تکنیک اور ارتقا پر مختصراً روشنی ڈالی جائے۔
- جدید نثر میں اس کی اہمیت کے بارے میں بتایا جائے تاکہ طلبا اس صنف کے مطالعے سے قبل یہ جان سکیں کہ نصاب کے اس حصّے کا بغور مطالعہ کیوں ضروری ہے۔

عید گاہ: (منشی پریم چند)

- افسانہ ''عید گاہ'' کی بلند خوانی سے قبل استاد پریم چند کے حیات اور کارناموں کے بارے میں طلبا کو مختصراً معلومات فراہم کرے۔
- مصنّف کے عہد، افسانوں کے موضوعات اور طرزِ تحریر کی خصوصیت کے حوالے سے طلبا کو معلومات فراہم کی جائیں۔
- افسانے کی بلند خوانی کرائی جائے۔ مشکل الفاظ و تراکیب اور بعض تشریح طلب حصّوں کی وضاحت کی جائے۔
- افسانے کا موضوع اور مرکزی خیال پر مختصر روشنی ڈالی جائے۔
- طلبا سے عید الفطر کے تہوار کی اہمیت اور اس تہوار میں کیے گئے خصوصی اہتمام کے حوالے سے مختلف سوالات پوچھے جائیں۔
- اس افسانے میں اسلامی مساوات اور بھائی چارے کے حوالے سے جس قسم کا روح پرور منظر مصنّف نے اُبھارنے کی کوشش کی ہے اس کی مثالیں پیش کیجیے۔

- اسلامی نقطۂ نظر کے برخلاف معاشرتی سطح پر امیری غریبی ، اونچ نیچ اور طبقاتی تقسیم کے حوالے سے جس قسم کی سماجی ناہمواریوں کو پیش کیا گیا ہے اس کی نشاندہی کیجیے اور طلبا سے دریافت کیجیے کہ آج کے معاشرے میں یہ عدم مساوات انھیں نظر آتا ہے یا نہیں۔
- کھلونوں کی خریداری کے ذریعے اس مرکزی تصور کو جس طرح اُبھارا گیا ہے اس کی تفصیل فراہم کیجیے۔
- اسلامی بھائی چارے اور سماجی نا انصافیوں کے حوالے سے اس افسانے پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- حقیقی زندگی کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ مقامی رنگ کو جس طرح مصنّف اپنے افسانوں کا حصّہ بناتے ہیں اس کی نشاندہی کیجیے۔
- غریب انسان سے بچپن کی رعنائی ، بےفکری اور معصومیت چھین لیتی ہے۔ اس حوالے سے حامد کے کردار نمایاں خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ طلبا سے اس بارے میں سوالات پوچھے جائیں اور اس کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- افسانے کے مرکزی کردار ”حامد“ کی خود داری اور احساس ذمہ داری کا خصوصیت سے تذکرہ کیجیے۔
- افسانے میں جن سماجی بُرائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر روشنی ڈالی جائے۔ اس کے نتائج سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- حامد کے مقابلے میں دیگر بچّوں کے کردار کی وضاحت کیجیے۔
- گاؤں دیہات کی جو منظرکشی کی ہے اس پر ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- گاؤں کی زندگی میں پائی جانے والی چھوٹی چھوٹی خوشیاں میلے اور تماشوں کی تفصیلات فراہم کرکے بچّوں سے ان کے ذاتی تجربات کے بارے میں پوچھا جائے۔
- پریم چند کے اسلوب اور طرزِ تحریر کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- پورے افسانے پر تنقیدی جائزہ طلبا سے لکھوایا جائے۔
- تحریر کی مشق کے دوران جہاں ضرورت ہو اساتذہ طلبا کی مدد کریں اور مشق کے دوران اہم نکات کی وضاحت بھی کریں۔

نیا قانون: (سعادت حسن منٹو)

- ''نیا قانون'' کی بلند خوانی سے قبل سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری کی خصوصیات اور رجحانات کا ایک اجمالی جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- منٹو کے عہد اور افسانوی ادب میں ان کے مقام و مرتبے کے حوالے سے اہم نکات بتائیں۔
- منٹو کے فن اور شخصیت پر ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- منٹو کے افسانوں کے موضوعات اور کرداروں کے بارے میں مختصراً معلومات فراہم کر کے اس حوالے سے ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- افسانہ''نیا قانون'' کی بلند خوانی کروا کر اہم نکات کی وضاحت کی جائے۔
- افسانے کا مرکزی خیال اور سیاسی پس منظر کے بارے میں بتایا جائے۔
- 1935ء کے انڈیا ایکٹ اور اس ایکٹ کے نتیجے میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی توقعات کی نشاندہی کیجیے۔ اس حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- منگو کے کردار کا مختصر تعارف کرایا جائے۔
- استاد کو چاہیے کہ منگو کوچوان کی انگریزوں کے خلاف نفرت کی وجوہات سے طلبا کو آگاہ کریں۔
- روس والے بادشاہ کے حوالے سے مارکسزم اور اس تحریک کے ہندوستان پر پڑنے والے اثرات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- استاد منگو ظلم کے خلاف ہے اس حوالے سے اس کردار کی انفرادیت اور خصوصیت پر ایک مضمون لکھوایئے۔
- استاد ہندوستان میں سامراجی اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اُٹھنے والی تحاریک کے بارے میں بھی طلبا کو آگاہ کرے۔
- پہلی اپریل کی تاریخی اہمیت کے حوالے سے منگو جس طبقے کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اس طبقے کو پہلی اپریل کے بعد کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اس کی تفصیلات اور نتائج سے طلبا کو آگاہ کیجیے۔

- استاد منگو کے کردار کے ذریعے مصنّف ہندوستان پر قابض انگریزوں کے خلاف عام لوگوں کے دلوں میں پکنے والے لاوے کو آزادی کی ابتدا اور ہندوستان سے انگریزوں کی رخصتی کا نکتہ آغاز قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں اس حوالے سے مصنّف کے ذہن میں جس قسم کی کشمکش ہے اس افسانے کی روشنی میں اس کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔
- اڈّے میں منگو کو چوان کی عقلمندی کے حوالے سے جو رائے تھی اس کی وجوہات اور پس منظر کی نشاندہی کیجیے۔
- اس افسانے کی اہم ترین حصّوں کی وضاحت کر کے 250 الفاظ پر مشتمل خلاصہ لکھوایا جائے۔
- اس عہد کے سیاسی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس افسانے پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- تنقیدی مضمون لکھنے کی مشق کراتے ہوئے اساتذہ وقتاً فوقتاً طلبا کی مدد اور رہنمائی کریں۔

جوتا: (احمد ندیم قاسمی)

- افسانے کی بلند خوانی سے قبل اساتذہ احمد ندیم قاسمی کے حالات زندگی اور افسانہ نگاری کی خصوصیات سے طلبا کو آگاہ کریں۔
- اساتذہ کو چاہیے کہ ترقی پسند تحریک کے حوالے سے قاسمی صاحب کی خدمات اور افسانوی ادب پر اس تحریک کے اثرات کے حوالے سے تفصیلی جائزہ پیش کریں۔
- پنجاب کے دیہاتوں کے مسائل اور گاؤں کی زندگی کی گہری چھاپ قاسمی صاحب کے افسانوں کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ اس حوالے سے ان کے افسانوں کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے اور اہم نکات کو نوٹ کرائیں۔
- افسانہ ''جوتا'' بھی گاؤں کے اسی پس منظر میں لکھا گیا ایک بہترین افسانہ ہے۔ ایسا گاؤں جہاں کے چودھری، جاگیردار اور زمیندار عام لوگوں کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتے ہوئے زندگی کی تمام آسائشات کا حصول صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔ افسانے کی بلند خوانی کراتے ہوئے اس اہم نکتے کو اچھی طرح طلبا کو سمجھانے کی کوشش کی جائے اور اہم نکات کی پوری طرح وضاحت کی جائے۔
- تمام نکات کی وضاحت کے بعد اس افسانے کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- کرموں کے کردار کی خوبیوں کے بارے میں بتا کر بچّوں کی تعلیم کے حوالے سے اس کی کوششوں اور نظام کے خلاف بغاوت کے بارے میں وضاحت کی جائے۔
- چودھری کا کردار اس زمانے میں جاگیردارانہ سوچ کا عکّاس ہے۔ اس حوالے سے اس نظام کی خامیوں کے بارے میں بتائیں۔
- کسانوں کے حقوق کے حوالے سے جس قسم کے نظریات کا اس افسانے میں اشارہ کیا گیا ہے اس کی وضاحت بھی کی جائے۔
- معاشرتی اور سماجی تضاد کے حوالے سے مثالیں دی جائیں۔
- بڑھتی ہوئی طبقاتی خلیج کے حوالے سے افسانے میں موجود نکات کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔

- معاشرے کے کمزور طبقات میں جس طرح انقلاب کروٹیں لے رہا ہے اس حوالے سے وضاحت کی جائے۔
- تبدیلی کی طرف آمادہ عام لوگ کس طرح نظام کی تبدیلی کے بارے میں سوچ رہے ہیں اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس موضوع پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- افسانے کے عنوان ''جوتا'' کی معنوی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے پس منظر کے بارے میں طلبا کو بتایا جائے۔
- انسانی احساسات اور مشاہدات کو مصنّف نے جس طرح اس افسانے میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے افسانے سے اس کی مثالیں پیش کی جائیں۔
- تعلیم کی اہمیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خاموش انقلاب کے حوالے سے اس افسانے میں موجود نظریات کا مطالعہ کرکے طلبا سے اس بارے میں ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- معاشرتی اور تہذیبی تضادات اور کمیّوں کے ساتھ زمینداروں اور جاگیرداروں کے غیر انسانی سلوک کے حوالے سے جو عبرتناک تصویر کھینچی گئی ہے اس بارے میں ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- افسانے کے تمام اہم نکات کو ذہن نشین کرایا جائے اور طلبا سے اس بارے میں سوالات پوچھتے ہوئے موجودہ زمانے کے حالات اور معاشرے سے اس کا موازنہ کرایا جائے۔

بادل: (انتظار حسین)

- انتظار حسین کی حیات اور کارناموں کے حوالے سے طلبا کو مختصر معلومات فراہم کی جائیں۔
- ان کی صحافتی زندگی کا اجمالی جائزہ لیا جائے۔
- حلقۂ ارباب ذوق سے ان کی وابستگی اور روایت پرستی کے رجحانات کے فروغ کے حوالے سے ان کے افسانوں کا تجزیہ کیا جائے۔
- ہجرت کے کرب کے حوالے سے انتظار حسین کے افسانوں کی انفرادیت پر روشنی ڈالیے۔
- تہذیبی اور معاشرتی مسائل اور علامتی اظہار کے حوالے سے ان خوبیوں کو اُجاگر کیا جائے۔
- طلبا سے انتظار حسین کے افسانوں پر ایک مختصر تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- افسانہ ''بادل'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔ اہم نکات اور مشکل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کی جائے۔
- طلبا سے اس افسانے کے موضوع کے حوالے سے سوالات پوچھے جائیں۔
- طلبا سے اس افسانے کا خلاصہ لکھوایا جائے۔ مشق کے دوران طلبا کی مناسب مدد اور رہنمائی کی جائے۔
- افسانے میں موجود علامتوں کی وضاحت کی جائے۔
- بوڑھا جو کہ ماضی کی علامت ہے۔ اس کردار کے ذریعے پیدا ہونے والی نفسیاتی کیفیت کی وضاحت کی جائے۔
- اساتذہ افسانے کے مرکزی کردار کی بے چینی اور امر وبیم کی کیفیت سے طلبا کو آگاہ کریں۔
- بادل جو کہ سکون اور آسودگی کی علامت ہے جبکہ افسانے کا مرکزی کردار اس بادل سے ہونے والی برسات سے فیضیاب نہیں ہو پاتا اور پیاسا ہی رہتا۔ اس حوالے سے افسانے کے موضوع اور مرکزی کردار کے اندر موجود کشمکش کو طلبا سے سامنے پیش کیا جائے۔
- افسانے میں تجسّس، تلاش اور جستجو کے عمل کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے بچّے کے دل میں موجود خواہشات اور اس کے نتائج کے بارے میں وضاحت کی جائے۔
- افسانے میں موجود بزرگ کی گفتگو کی معنیٰ خیزی کی وضاحت کی جائے۔

- بچّے اور بڑے میاں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے حوالے سے طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔ اس کے خاص پہلوؤں کی وضاحت کی جائے۔ اس حوالے سے دونوں کرداروں پر ایک مختصر تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- افسانے میں موجود ماضی پرستی کا جائزہ لے کر انتظار حسین کے نظریات کا جائزہ لیا جائے۔
- افسانے میں موجود امید اور نا اُمیدی کے بارے میں ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔

دستک: (یونس جاوید)

- یونس جاوید کا مختصر تعارف پیش کیا جائے۔
- یونس جاوید کی ڈرامہ نویسی کے حوالے سے طلبا کو آ گاہ کیا جائے۔
- ان کی افسانہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے موضوعات کا مختصر جائزہ لیا جائے۔
- ان کی حیات اور کارناموں کے بارے میں مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- افسانہ ''دستک'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- مشکل الفاظ وتراکیب اور اہم نکات کی وضاحت کی جائے۔
- اس افسانے کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- افسانے میں جس قسم کی معاشرتی بے حسی اور خود غرضی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اس کی مثالیں پیش کی جائے اور دورِ حاضر سے ان رویّوں کا موازنہ کیا جائے۔
- پاگل کے کردار کے ذریعے ظلم اور استحصال کی جو تصویر دکھائی جا رہی ہے طلبا سے اس بارے میں سوالات کیے جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- معاشرے کے منفی رویّوں کی وجہ سے پڑنے والے اثرات اور نتائج کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- اخلاقی انحطاط اور منافقانہ رویّوں کی مثالیں پیش کر کے طلبا سے اس موضوع پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- افسانے میں جس طرح تلخ حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے اس کے اہم نکات کی نشاندہی کر کے طلبا سے پورے افسانے کا تنقیدی جائزہ لکھوایا جائے۔ اس دوران طلبا کی مناسب مدد اور رہنمائی کی جائے۔
- افسانے میں موجود طنز اور کاٹ دار فقرے معاشرے کا جیسا چہرہ دکھا رہے ہیں اس کی روشنی میں یونس جاوید کے اسلوب کے بارے میں گفتگو کی جائے اور اس حوالے سے ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- اس کہانی کو پڑھ کر طلبا کے ذہن میں کیا تاثر اُبھرا اور اس سے انہوں نے کیا سبق حاصل کیا؟ اس بارے میں سوالات پوچھے جائیں۔ اہم نکات کی بنیاد پر اس حوالے سے بھی تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔

- دستک کو علامت کے طور پر مردہ ضمیر لوگوں کو جگانے کے لیے استعمال کیا ہے اس حوالے سے افسانے کے نام کی معنویت اور اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
- افسانے میں موجود معاشرتی تضاد اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں طلبا کو معلومات فراہم کیجیے۔
- اس افسانے کا مجموعی جائزہ لے کر معاشرتی تضاد کے حوالے سے تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔

چند شعری اصطلاحات اور ان کا مفہوم

مطلع : کسی غزل کے سب سے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مثلاً

اپنے دریا سے ہٹ گیا ہوں میں
خشک ساحل ہوں کٹ گیا ہوں میں

اس شعر میں ''ہٹ'' اور ''کٹ'' قافیہ ہیں جبکہ ''گیا ہوں میں'' ردیف ہے جو دونوں مصرعوں میں دہرائی گئی ہے۔

مقطع: غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے مقطع کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

جب کوئی غم نہیں ہوتا ناصؔر
بے کلی دل میں سوا ہوتی ہے

ردیف : اصطلاح میں اس مستقل کلمے کو کہتے ہیں جو کسی شعر یا مصرعے کے آخر میں قافیہ کے بعد شعر میں آتا ہے۔ اشعار میں ردیف کا ہونا کوئی لازمی شرط نہیں ہے لیکن اس کے استعمال سے شعر میں نغمگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس شعر میں ''تیرے ہیں'' ردیف ہے جو ہر مصرعے کی آخر میں استعمال ہوتا ہے۔

قافیہ : قافیہ قفا سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ کسی شعر یا مصرعے میں ردیف سے قبل ہم آواز الفاظ کا بار بار استعمال قافیہ کہلاتا ہے۔ کسی شعر میں ردیف نہ ہو تو قافیہ، شعر یا مصرعے کے آخر میں استعمال ہوگا۔ مثال :

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

اس شعر میں چرانے اور بڑھانے قافیہ ہیں جو کہ ردیف سے پہلے استعمال ہوتے ہیں جبکہ مندرجہ ذیل شعر

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن

میں ''دمن'' اور ''چمن'' قافیہ ہیں لیکن یہ شعر کے آخر میں استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ اس شعر میں ردیف استعمال نہیں ہوا ہے۔

تشبیہہ: کسی چیز، شخص یا جگہ کو دوسری چیز، شخص یا جگہ سے مماثل قرار دینا تشبیہہ کہلاتا ہے۔ مثال:

شفق پھولنے کی وہ بہار دیکھو
فلک پر کھلا ہے عجب لالہ زار

یا

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

پہلے شعر میں شفق کو لالہ زار قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سرخی ہے جبکہ دوسرے شعر میں محبوب کے لب کو گلاب کی پنکھڑی کی طرح بتایا گیا ہے اور اس کی وجہ اس کی نازکی اور گلابی رنگت ہے۔

تلمیح: کسی شعر میں جب مشہور واقعے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔ مثال:

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعان ہو گئیں

یا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

پہلے شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے قصّے کی طرف اشارہ ہے جبکہ دوسرے شعر میں بادشاہ نمرود کی بھڑکتی ہوئی آگ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس آگ میں کودنا اور حکمِ خداوندی سے اس آگ کا گلزار میں تبدیل ہو جانے کا ذکر ہے۔

استعارہ: استعارہ لفظ مستعار سے نکلا ہے جس کے معنی ''ادھار لینے'' کے ہیں۔ تشبیہہ میں ایک چیز کو کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جاتا ہے جبکہ استعارہ میں کسی چیز کو بعینہ دوسری چیز فرض کر لیا جاتا ہے۔ مثال:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
ان ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

اس شعر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی جگہ شیر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے والد حضرت علی علیہ السلام کی طرح باہمّت اور بہادر تھے۔

صنفِ تضاد: شعر میں ایسے الفاظ جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں اسے صنفِ تضاد کہتے ہیں۔ مثال:

خوشی کی رُت کہ غم کا موسم، نظر اسے ڈھونڈتی ہے ہر دم
وہ بوئے گل تھا کہ نغمۂ جاں، مرے تو دل سے اُتر گیا وہ

اس شعر میں خوشی اور غم دو متضاد معنی دینے والے الفاظ ہیں۔

مبالغہ: یہ لفظ غلو سے نکلا ہے، شعری اصطلاح میں اس سے مراد کسی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے ہیں۔ مثال:

کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر
تھا دستِ نگر نتیجۂ مژگاں کی تری کا

اس شعر میں میؔر اپنے رونے دھونے کی شدّت کا عالم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سمندر بھی محتاج تھا میرے رونے کا۔ میں اتنا رویا کہ وہ بھی بھر گیا۔ بھلا کسی کے آنسوؤں سے سمندر کا بھرنا ممکن ہے لیکن شعرا اپنے تخیّل کے زور پر شعر میں مبالغے، حُسن اور شدّت پیدا کرتے ہیں۔

تکرار : تکرارِ لفظی عموماً شعر کی خامی سمجھی جاتی ہے لیکن بعض اوقات ایک ہی لفظ کو بار بار کچھ اس انداز سے استعمال کرتا ہے کہ یہ خامی خوبی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثال :

پتّہ پتّہ بُوٹا بُوٹا حال ہمارا جانے ہے ......
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہے کہاں تمنّا دوسرا قدم یا رب؟
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقش پا پایا

ان اشعار میں تکرارِ لفظی سے جو موسیقیت پیدا کی گئی ہے وہ شعر کے حُسن میں اضافے کا سبب بنی ہے۔

نظم

اُردو میں نظم نگاری کی روایت کم و بیش اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اُردو شاعری ،نظم کا لفظ جب شاعری کی ایک مخصوص صنف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ نظمیں مقصود ہوتی ہیں جو ۱۸۶۵ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کے زیر اہتمام موضوعاتی اور بعد میں ہیئت اور تیکنیک کے تجربات کے نتیجے میں وجود میں آئیں۔نظم کا جائزہ عموماً دو مختلف حیثیتوں سے لیا جاتا ہے ایک موضوع کے لحاظ سے اور دوسرا ہیئت کے لحاظ سے۔ بہ لحاظ موضوع شاعر رومانی ، سیاسی ، اخلاقی ، مذہبی ، فلسفیانہ اور ہجویہ نظمیں، بیانیہ انداز میں پیش کرتا ہے اور بہ لحاظ ہیئت مثنوی ، رباعی ، قطعہ ، ترکیب بند ، ترجیع بند ،مستزاد ، مثلث ، مربع ،مخمس اور مسدّس وغیرہ کی تیکنیک استعمال کی جاتی ہے۔

نظم سے مراد چونکہ تمام اجزا کو ایک لڑی میں پرونے کے ہیں اس لیے اس کے تمام اشعار یا بند ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔نظم میں کسی خاص موضوع کے تحت اشعار موزوں کیے جاتے ہیں اسی لیے اس میں بتدریج ایک تسلسل نظر آتا ہے۔ اس وجہ سے اسے ایک عنوان بھی دیا جاتا ہے۔

نظم میں ردیف یا قافیے کی پابندی ضروری نہیں البتہ بحر کی پابندی ضروری ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد بھی مقرر نہیں۔مختصر اور طویل ہر طرح کی نظمیں لکھی جاسکتی ہیں۔مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے نظم کو مختلف نام دیے گئے ہیں۔مستزاد سے مراد ایسی نظم جس میں ایک مکمل مصرعے پر مزید نصف مصرعے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔مکمل اور نصف مصرعوں کا آپس میں ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔

مثلث ایسی نظم ہوتی ہے جس کا ایک بند تین مصرعوں پر مشتمل ہو۔ اس قسم کی نظموں میں ہر بند کے پہلے دو مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ جس نظم کے ہر بند میں چار مصرعے ہوں اور چاروں ہم قافیہ ہوں۔ اس کو مربع کہتے ہیں اور جس کے پانچ مصرعے ہوں اس کو مخمس کہتے ہیں۔مخمس کے ہر بند کا پانچواں مصرعہ ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ مسدّس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے چار مصرعے ہم قافیہ جبکہ آخری دو مصرعوں کا قافیہ ایک ہوتا ہے۔ سات مصرعوں پر مشتمل بند والی نظم کو مسبع اور آٹھ مصرعوں پر مشتمل نظم کو مثمن کہتے ہیں۔مثنوی ایسی نظمیں ہوتی ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں جبکہ تمام اشعار کا ایک ہی بحر میں ہونا ضروری ہے۔قصیدہ ، ہجو اور مرثیہ وغیرہ بھی ظاہری لحاظ سے ایک مکمل نظم کہلاتے ہیں۔

جدید نظم کا تصور سب سے پہلے حاؔلی کے یہاں ملتا ہے۔ سر سیّد کی اصلاحی تحریک کے زیر اثر حاؔلی اور

آزاد جدید نظم کے روح رواں تھے۔ آگے چل کر نظم نے ایک الگ صنف شعر کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس دور میں شبلی، اکبر اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے اس صنف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس زمانے میں پابند نظمیں زیادہ کہی جارہی تھیں۔ بعد میں اقبال، جوش اور مجاز جیسے شعرا نے بھی پابند نظموں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا لیکن جدید دور میں قافیہ کی پابندی کو شاعرانہ تخیّل کی راہ میں رکاوٹ سمجھا گیا اسی سبب بیسویں صدی میں قافیے سے چھٹکارا پانے کا رجحان پیدا ہوا اور انگریزی ادب کے زیر اثر معریٰ نظمیں لکھی جانے لگیں۔ معریٰ نظموں میں بحر اور وزن کی پابندی تو کی جاتی ہے مگر قافیہ ضروری نہیں۔ اس کے ابتدائی تجربے عبدالحلیم شرر، اسماعیل میرٹھی اور نظم طباطبائی کے یہاں ملتے ہیں۔ کچھ ہی عرصے کے بعد انگریزی کی آزاد نظم کی طرز پر اُردو میں بھی ایسی نظمیں لکھی جانے لگیں۔ ن۔م راشد، میراجی اور تصدق حسین خالد وغیرہ اس کے بانی ہیں۔

انگریزی کے زیر اثر سانیٹ بھی اُردو میں لکھی جانے لگی۔ یہ بھی ایک مقفّیٰ نظم ہے جس میں چودہ مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلا حصّہ آٹھ اور دوسرا چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اختر شیرانی اس کے سب سے بڑے نمائندے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی: (قناعت)

- نظم کی تعریف اور مفہوم کے حوالے سے مختصر گفتگو کی جائے۔
- اُردو ادب میں نظم نگاری کی تاریخ اور ارتقائی پس منظر سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- نظم کی مختلف اقسام، ہیئت اور تکنیک کے حوالے سے فرق کی وضاحت کی جائے۔
- نظم اور دیگر اصنافِ سُخن میں ہیئت اور موضوعات کے حوالے سے مختصر وضاحت کی جائے۔
- نظم کا ارتقائی پس منظر بیان کرتے ہوئے نظیر اکبر آبادی کے عہد اور سیاسی و سماجی حالات سے طلبا کو واقف کیا جائے۔ نظیر کے حالات زندگی اور خاندانی پس منظر کے بارے میں مختصراً گفتگو کی جائے۔ اس دور کے دیگر ہم عصر شعرا سے موازنہ کرکے نظیر کی شاعرانہ خصوصیت اور انفرادیت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے۔
- ان کی زبان اور اسلوب کی نمایاں خوبیوں کے بارے میں بتایا جائے۔
- ان کی نظموں کے موضوعات سے طلبا کو نہ صرف آگاہ کیا جائے بلکہ مختلف نظموں سے مثالیں پیش کی جائیں۔

- انقلاباتِ زمانہ کا اثر ان کی شاعری پر کس طرح پڑا اس کی بھی مثالیں پیش کی جائیں۔
- ان کی نظموں میں سماجی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا جو اظہار نظر آتا ہے اس کے بارے میں مثالیں دے کر طلبا سے اس بارے میں رائے لی جائے۔
- مختلف تہواروں اور میلوں، کھیلوں پر لکھی جانے والی نظموں کو کیوں رجحان ساز کہا جا سکتا ہے اس کی وجوہات پر روشنی ڈالی جائے۔
- اخلاقی نظموں کے حوالے سے ان کی انفرادی خصوصیات بیان کی جائیں۔
- نظم نگاری کی تاریخ میں نظیرؔ کے مقام و مرتبے کا تعین کر کے طلبا سے مختلف نکات پوچھے جائیں۔
- ان کی شاعرانہ خصوصیات پر مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- ان کے اسلوب اور زبان و ادب پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں بھی ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- اس سلسلے میں طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- نظم 'قناعت' کے عنوان کی وضاحت کرتے ہوئے معاشرے میں اس کی اہمیت کو بیان کیا جائے۔
- نظم کا مرکزی خیال طلبا کے سامنے بیان کر کے زندگی کے بارے میں نظیرؔ کا جو تصورِ حیات تھا اس کی وضاحت کیجیے۔
- نظم میں جن اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔
- استاد کو چاہیے کہ نظم کا مجموعی جائزہ لے کر اہم نکات لکھوائے۔ اس کے علاوہ نظم میں صبر و شکر اور قناعت کے حوالے سے جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اسے کَمَا حَقّہٗ طلبا کے اذہان میں منتقل کیا جائے۔
- نظم 'قناعت' کا تنقیدی جائزہ پیش کر کے طلبا سے اس بارے میں سوالات کیے جائیں۔
- اس نظم کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- اس نظم پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے، تحریری کوشش کے دوران جہاں جہاں ضروری ہو طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- نظم کے ہر بند کی علیحدہ علیحدہ تشریح بھی کروائی جائے۔

- ہر بند کے مشکل الفاظ اور معنی سے بھی طلبا کو آ گاہ کیا جائے۔
- نظم اور غزل کے ہر بند کی مکمل تشریح کے لیے تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت پیش آئے گی لیکن اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہر بند کا مرکزی خیال اور اہم نکات پیش کئے جا رہے ہیں جس کی مدد سے وہ طلبا کو نہ صرف ہر بند کو بہتر طریقے سے سمجھا سکیں بلکہ بہتر تشریح لکھوانے میں بھی یہ چیزیں ان کی مددگار ثابت ہوں گی۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ہر بند کی تشریح کرتے وقت مرکزی خیال اور نکات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طلبا کے سامنے آسان اور سہل انداز اور الفاظ میں اس کی وضاحت کریں۔

بند نمبر ا:

نظیرؔ اس بند میں صبر و قناعت کی تلقین کرتے ہوئے تشکّر کے پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا شکر ہے اور اگر واپس لے لیا تو اس پر بھی شکر۔ یہاں وہ یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ ہر مشکل اور راحت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

بند نمبر ۲ :

نظیرؔ کہتے ہیں کہ شکوہ و شکایت اور ملامت یہ سب انسان کو ناشکرا بنا دیتی ہیں۔ انسان وہی ہے جو ہر طرح سے ہر حال میں خدا کا بندہ بنے اور شکر بجا لائے۔

بند نمبر ۳ :

نظیرؔ کہتے ہیں کہ انسان وہی خوش ہے جسے جو نصیب ہوجائے اور وہ ہر حال میں خوش ہے۔ اگر اچّھی پوشاک مل گئی تو بھی خوش رہے اور اگر ٹاٹ مل گیا تو بھی شاد رہے۔ بس اس کا نام قناعت ہے۔

بند نمبر ۴ :

نظیرؔ کہتے ہیں کہ اگر انسان مصیبت میں غم میں ، بھوک آفات میں بھی شکوہ کے بجائے شکر کے ساتھ اپنی زندگی صبر کرتا ہے تو دراصل سچی خوشی وہی ہے جو ہر حال میں ہو۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

بند نمبر ۵ :

نظیؔر کہتے ہیں جن کے نزدیک زندگی اور موت کے ایک ہی معنی ہیں۔ ان کے نزدیک وقت کی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر گھڑی ہر پل خوش وخرم ہی رہتے ہیں۔

بند نمبر ۶ :

صبر اور قناعت کا درس دیتے ہوئے نظیؔر کہتے ہیں کہ جو مل گیا وہ ہی لیا چاہے قیمتی ہو یا معمولی۔ بس ہر حال میں خوش رہنا ہی بہتر اور درویشی ہے۔

بند نمبر ۷ :

نظیؔر کے صوفی اور فقیرانہ طرزِ زندگی کو اہمیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو جہاں اور جس طرح کی زمین میسّر آئے اور جیسی میسّر آئے اس میں خوش رہنا چاہیے۔

بند نمبر ۸ :

نظیؔر کہتے ہیں کہ درویشی وہ طرزِ زندگی ہے جو انسان کو صبر اور شکر سکھاتی ہے ایک خوش وخرم انسان جو ہر حال میں جینا جانتا ہو چاہے بھکاری کے روپ میں ہو چاہے امیری کے روپ میں۔

بند نمبر ۹ :

اس بند میں صبر اور قناعت کا درس دیتے ہوئے نظیؔر کہتے ہی کہ جو کچھ انسان کو کھانے کو میسّر آجائے اس پر صبر اور شکر کر کے خوش رہے کیونکہ اصل کامیابی شکر میں ہے نہ کہ شکوہ میں۔

بند نمبر ۱۰ :

نویں بند کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے نظیؔر کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی ایک فقیر کو میسّر ہے وہ اس میں خوش ہے اگر بھوک بھی دی ہے تو بھی اس میں گزارا ہے غرض ہر حال میں خوش رہنا ہی فقیری ہے۔

بند نمبر ۱۱ :

نظیؔر اس بند میں دو مختلف احوال زندگی کو بیان کرتے ہیں۔ اوّل ریاضت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک فقیر خدا کی کائنات کی تسخیر کے لیے در بدر مارا مارا پھرتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنا ہوش بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے جب محبوب کی زلفوں کا اسیر ہونے کی باری آتی ہے تو وہ پیچھے نہیں ہٹتا۔ یعنی عشق حقیقی اور عشق مجازی کے انتہاؤں میں جو جیتا ہے دراصل وہی انسان خوش ہے۔

بند نمبر ۱۲ :

گیارہویں بند کی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے نظیؔر صوفیانہ اور مولویانہ طرز زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں زندگی کا ہر چلن بھاتا ہے۔ چاہے اس کا کوئی بھی رنگ ہو کیونکہ خوش رہنا اور ہر بات پر قائم رہنا ہی اصل کامیابی ہے۔

بند نمبر ۱۳ :

اس بند میں بھی نظیؔر اس فقیرانہ زندگی کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جو بھی کیفیت ہو جو بھی حال ہو ہم مدد دی ہے جو ہر حال میں خوش ہے۔

بند نمبر ۱۴ :

نظیؔر کہتے ہیں کہ قائم اور فقیر وہ ہوتا ہے جو نہ مفلسی سے کچھ غرض رکھتا ہے اور نہ ہی دولت مندی سے۔ کیونکہ یہ سب تو ہوس پرستی کے چونچلے ہیں۔ اصل انسان تو وہ ہے جو ہر جگہ، ہر مقام اور ہر حال میں خوش رہنا جانتا ہے۔

بند نمبر ۱۵ :

آخری بند میں نظیؔر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب زمانہ وہ آیا ہے کہ ایسے لوگ کم ہی رہ گئے ہیں جو کہ ہر حال میں خوش رہنا چاہتے ہیں کیونکہ حرص و ہوس نے ہر جگہ ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ لیکن اگر ہیں تو فرشتے یا آدم سے کم نہیں ۔ ہر حال میں صبر وشکر اور قناعت سے کام لیتے ہیں۔

مسدّسِ حاؔلی

خواجہ الطاف حسین حاؔلی

- استاد کو چاہیے کہ وہ مسدّس پڑھانے سے قبل اس دور کے حالات اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی تنزّلی کے اسباب سے طلبا کو آ گاہ کرے۔
- مولانا حاؔلی کی حیات اور کارناموں پر مختصر گفتگو کی جائے۔
- انجمن پنجاب کی تحریک اور حاؔلی کے کردار کے بارے میں طلبا کو آ گاہ کیا جائے۔
- علی گڑھ تحریک سے ان کی وابستگی اور سرسیّد احمد خان سے ان کے تعلق کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد اُردو شاعری کا جو نیا دور شروع ہوا اس میں حاؔلی کے کردار اور کارناموں کے بارے میں طلبا کو تفصیل سے بتایا جائے۔
- اس کے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- مولانا حاؔلی کے موضوعات اور اسلوب کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- ان کی شاعرانہ خصوصیات کا مجموعی جائزہ پیش کر کے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- مسدّس لکھنے کے اسباب طلبا سے پوچھے جائیں، اس کے موضوع اور ہیئت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- اس زمانے کی مجموعی قومی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس نظم کی اہمیت اور افادیت سے طلبا کو آ گاہ کیا جائے۔
- سرسیّد جیسے اہم دانشور، مفکّر اور ماہرِ تعلیم کی اس نظم کے بارے میں جو رائے تھی اس سے طلبا کو آ گاہ کرتے ہوئے وجوہات کی طرف توجہ دلائی جائے۔
- ہندوستانی مسلم معاشرے میں اس مسدّس کے بارے میں خیر مقدمی خدمات اور اس کی روشنی میں مختلف تحریکوں کا جنم لینا، ان تمام پہلوؤں پر اختصار سے روشنی ڈالی جائے۔
- اس نظم کے اہم نکات، اس میں بیان کردہ مختلف مسائل اور ان کے حل کی طرف جو نشاندہی کی گئی ہے ان تمام باتوں کو تفصیل سے طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔

- اس نظم کے اہم نکات نوٹ کرائے جائیں۔
- نظم کے مجموعی تاثر کے بارے میں طلبا سے رائے لی جائے، ایک مختصر تنقیدی نوٹ بھی لکھوایا جائے۔
- نصاب میں نظم کا جو حصّہ شامل ہے وہ اس نظم کا ضمیر ہے، اس ضمیمے کو لکھنے کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔
- علم کی اہمیت کے حوالے سے جو باتیں نصاب میں شامل نظم کے اس حصّے میں پیش کی گئی ہیں، خود حالؔی کے زمانے میں اور موجودہ عہد میں مسلمانوں کے لیے جو پیغام پوشیدہ ہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔
- اہلِ وطن پر اس نظم کا کیا اثر ہوا اس حوالے سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- تہذیب و تمدّن کی جن خوبیوں کو اپنانے کا مشورہ حالؔی نے دیا تھا طلبا سے پوچھا جائے کہ دور حاضر میں کیا ہم ان مشوروں پر عمل کر رہے ہیں، اگر نہیں تو اس کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔
- مصائب اور پریشانی سے نکلنے کا جو حل حالؔی نے بتایا ہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔
- نظم کے اس حصّے میں امید اور حوصلے کا جو پیغام دیا اس کا قوم پر کیا اثر ہوا اس بارے میں بتایا جائے۔
- نظم کی بلند خوانی کروائی جائے۔مشکل الفاظ اور معنی لکھوائے جائیں۔
- ہر بند کی الگ الگ تشریح کروائی جائے۔
- علم وفن کے فروغ کے حوالے سے اس نظم میں جن اہم نکات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اسے لکھوا کر نصاب میں شامل نظم کے اس حصّے پر تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- نظم کے اس حصّے کا 250 الفاظ میں خلاصہ تحریر کروایا جائے۔
- ہر بند کی مکمل تشریح سے اجتناب کرتے ہوئے اس کے اہم نکات اور ہر بند کے مرکزی خیال کو ضبط تحریر میں لایا جا رہا ہے تاکہ بہتر تشریح لکھوانے میں اساتذہ کو مدد اور رہنمائی حاصل ہو۔ اساتذہ کو چاہیے کہ ان نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے طلبا سے آسان اور سہل انداز میں تشریح لکھوائیں۔

بند نمبر ۱ :

حالؔی ،نظم کے اس حصّے میں کہتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کے مسائل کا حل صرف اور صرف علم وفن سے آگہی ہے۔علم کی روشنی پھلا کر ہی اُمّتِ میں نئی روح پھونکی جا سکتی ہے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

بند نمبر ۲ :

حالؔی کہتے ہیں کہ حصول علم کی بدولت ہی مسلمانوں میں خود اعتمادی اور خود اختیاری کا تصور پیدا ہوگا۔ وہ دیگر اقوام کے ساتھ قدم سے قدم مل کر چل سکیں گے۔ اچھے بُرے کی ان میں تمیز پیدا ہوگی۔

بند نمبر ۳ :

حالؔی کہتے ہیں وہ مدرسے اور تعلیم گاہیں جو کہ کھنڈر بن چکی ہیں انہیں پھر سے آباد کیا جائے۔ ترقی حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا جائے اور ان نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ پوری دنیا ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرے۔

بند نمبر ۴ :

حالؔی کہتے ہیں کہ اہلِ علم وفن جس قدر عزت و احترام کے حقدار ہیں انہیں ملنا چاہیے۔ اس طرح قوم کی شان و شوکت میں اضافہ ممکن ہے جو کچھ تم آج ان کی مدد کرو گے تو کل اسی سے بڑھ کر بدلہ اس قوم کو وہ لوگ دیں گے۔ ایسے افراد قوم کی خیر خواہی کا باعث بنیں گے۔

بند نمبر ۵ :

حالؔی یونان کی عظمتِ رفتہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ یونان علمی ترقی کے عروج پر تھا اس کی وجہ ان کی علم سے رغبت اور قدر دانی تھی۔ ان کے علمی مقاصد اور ارادے بہت بلند اور حوصلے جواں تھے جن کی بدولت انہوں نے اقوامِ عالم میں اپنا نام پیدا کیا۔

بند نمبر ۶:

حالؔی اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ان وجوہات کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ سخت محنت ہی ان کی ترقی کا راز تھا۔ وطن پرستی کے جذبے سے سرشار وہ ایک ایسی قوم تھی کہ عالم کو اس کی زندگی میں ہی اور بعد از مرگ بھی سراہتے تھے اور ان کی قدر دانی کرتے تھے۔

بند نمبر ۷ :

حاؔلی یونان کی عظمت کا گیت گاتے ہیں اور کہتے ہیں یہی وہ انداز تھا کہ یونان جو کہ ایک جزیرہ تھا پوری دنیا میں آج علم وحکمت کے حوالے سے مشہور ہے۔ اور یہی وہ شے تھی جس نے یونان کو یونان بنایا۔ حاؔلی یونان سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ ہماری تمام تر کوششیں یہی ہیں کہ ہماری قوم بھی اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرے۔

بند نمبر ۸ :

حاؔلی قوم کے ان اشخاص سے مخاطب ہیں جو کہ قوم کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں اور ملک وملّت کے لیے کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اپنی آئندہ کی نسل کو باعلم دیکھنا چاہتے ہیں انہیں اس قوم کی غم گساری کرنی ہوگی۔

بند نمبر ۹ :

حاؔلی کہتے ہیں کہ قوم کی اس زوال کو دیکھ کر ہمارے دل غم سے بھر جاتے ہیں کہ سوائے جلنے کڑھنے کے اور کچھ بھی نہیں ہو پاتا کیونکہ قوم خود سے جب تک اٹھنے کو تیار نہ ہو تو تمام تر کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں اور سوائے ہاتھ ملنے کے اور کچھ بھی نہیں ہو پاتا۔

بند نمبر ۱۰ :

حاؔلی کہتے ہیں کہ امیروں کی دولت، دانشوروں کی عقلمندی بزرگوں اور مولویوں کی نصیحتیں، ادیبوں اور شاعروں کی قادر الکلامی اسی صورت سود مند ہو گی جب وہ قوم کی فلاح اور بہبود کے کام آئے۔ سوائے لفاظی اور کھوکھلی باتوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حاؔلی یہاں قوم پرستی کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

اگر مذہب گیا

اکبر الہ آبادی

- نظم کی بلند خوانی اور وضاحت سے قبل اکبر الہ آبادی کے دور کے سیاسی اور سماجی پس منظر سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- انگریزوں کی آمد کے بعد مغربی یلغار اور اس کے نتائج کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔
- اکبر اور سرسیّد کے مابین نظریاتی اختلافات کی وجوہات اور ردِعمل سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔ اس دور کی اہم تحاریک کا بھی مختصراً جائزہ لیا جائے۔
- طلبا سے اکبر کی شاعری اور اودھ پنچ تحریک کے بارے میں سوالات کیے جائیں۔ اس حوالے سے ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔
- اکبر کی طنزیہ شاعری پر ایک جامع نوٹ لکھوایا جائے۔
- ان کی شاعری کے ذریعے معاشرتی اصلاح کے مقاصد اور نتائج کے بارے میں طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- قومی غیرت اور مذہب کے حوالے سے اکبر کے نظریات پر روشنی ڈالی جائے۔ ساتھ ہی تعلیم اور نصاب کے بارے میں بھی ان کے خیالات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اکبر کی شاعری کا مجموعی جائزہ پیش کرکے ان کی شاعرانہ خصوصیات پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- نظم ''اگر مذہب گیا'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- تلفّظ اور الفاظ و معنی کی طرف مخصوص توجہ دی جائے۔
- نظم کے اہم نکات اور موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور پھر 250 الفاظ پر مشتمل اس نظم کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- اس نظم میں اکبر جن سماجی اور اخلاقی خرابیوں کا ذکر کر رہے ہیں ان کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں اور دورِ حاضر کی روشنی سے ان کا موازنہ کروایا جائے۔
- اس نظم میں مذہب کا احساس دلانے کے لیے اکبر نے جن اہم نکات کو پیش کیا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے لہٰذا اساتذہ کی رہنمائی کے لیے شعر کا مرکزی خیال قلمبند کیا جا رہا ہے جس

کی مدد سے وہ طلبا کو بہتر تشریح کرواسکیں گے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ تشریح اور نظم کی وضاحت سے دوران ان نکات کو ضرور پیشِ نظر رکھیں تا کہ آسان اور سہل انداز میں تشریح ممکن ہو سکے۔

شعر نمبر ۱:

کچھ نادان دوست اس بات پر بضد ہیں کہ دورِ حاضر میں مذہب کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اسے ترک کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن شاعر کو اس بات پر پختہ یقین ہے کہ مذہب کو نظر انداز کرکے اور اسے اپنی زندگی سے رخصت کرکے ملّت کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے اور یہ معاشرہ حیوانی معاشرے میں تبدیل ہوسکتا ہے۔

شعر نمبر ۲:

اکبرقوم کی حمایت پر ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قومی احساس اور وطن پرستی کا جذبہ تو اب قوم میں باقی نہیں رہا، ایک مدت ہوئی یہ چیزیں ختم ہو چکی ہیں۔ ایک مذہب ہی ایسا جذبہ تھا جس نے قوم کو ایک لڑی میں پرویا ہوا تھا، افسوس کہ اب وہ بھی ہمارے درمیان سے رخصت ہو چکا ہے۔

شعر نمبر ۳:

اکبرعقیدوں کو اخلاقی قدروں کا ضامن سمجھتے ہیں یعنی عقائد انسان کے اخلاق پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ شاعر کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اپنا مخصوص عقیدہ اور روایات ہیں اور اس پر ثابت قدم رہ کر ہی اپنی اخلاقی حالت کو بھی بہتر کیا جا سکتا ہے لیکن یہی چیز اگر نہ ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ اخلاق بگڑ جائے گا اور مادّیت پرستی اور مغربی یلغار ہمیں کہیں سے کہیں بہا کر لے جائے گی۔

شعر نمبر ۴:

مذہب سے نفی کے نتیجے میں انسان پر مادیت پرستی غالب آ جاتی ہے۔قوم اپنا مقصدِ حیات بھول کر پیٹ اور دیگر مسائل میں الجھ جاتی ہے اس طرح پوری قوم روحانی موت مر جاتی ہے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

شعر نمبر ۵ :

اکبر نظامِ تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے نصاب کی تبدیلی کو انگریزوں کی بہت بڑی چال قرار دیتے ہیں۔ وہ اس جُز وقتی نصاب جس میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے، اس سے مطمئن نہیں خصوصاً مسلمانوں کی تاریخ اسلامی افکار کو جس طرح مسلمانوں سے دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اکبر اس جانب اشارہ کر رہے ہیں۔

شعر نمبر ٦ :

اکبر قوم کی نا انصافی اور گروہ بندی پر نوحہ کناں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد ختم ہو چکا ہے وہ اپنے اصل قبلہ و کعبہ کو بھول کر فرقوں اور نسلوں میں بٹ چکے ہیں۔ ہر گروہ اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر الگ الگ راہوں پر چل رہا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں نا اتفاقی اور منافرت بڑھ رہی ہے۔

شعر نمبر ۷ :

اکبر اپنے ہم عصروں کو آنے والے بھیانک مستقبل کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ نتائج سے باخبر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہماری یہی روش رہی اور ہم نے مذہب کو مضبوطی سے نہ تھاما تو انجام بہت بھیانک نکل سکتا ہے۔

شعر نمبر ۸ :

اس شعر میں اکبر مسلمانوں کی ازلی زبان سے دوری اور بے رُخی کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ اس چیز پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ اب تو مسلمانوں کے ذہن و خیال کے ازلی قواعد اور اصول بھی تقریباً مٹتے جا رہے ہیں اور مغربی علوم اور زبان کے اتنے دلدادہ ہو چکے ہیں کہ قرآن کی زبان سے بے رُخی برت رہے ہیں۔

شعر نمبر ۹ :

اکبر اس شعر میں قوم سے سوالیہ انداز میں یہ پوچھتے ہیں کہ اس دنیا کی مجلس میں تم کن لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو گے۔تم تو نہ دین کے ہو نہ دنیا کے۔''او لارڈ'' سے بھی تمہارا دُور کا واسطہ نہیں اور اپنے رب کی پرچھائیں کو بھی تم فراموش کر چکے ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تمہیں طے کرنا پڑے گا کہ تمہاری جگہ کہاں ہے؟ اپنی شناخت یعنی مذہب کے زیرِ سایہ زندہ رہنا ہے یا مغربی غلامی کا تاج اپنے سر پر سجانا ہے۔

شعر نمبر ۱۰ :

غدر کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو شیشے میں اتارنے کے لیے جس قسم کے وعدے کیے تھے وہ کبھی پورے نہیں ہوئے۔خصوصاً ملازمت کے سلسلے میں تو ان کے ساتھ بہت زیادہ جانبداری برتی گئی۔شکست ، اقتدار اور اعلیٰ عہدوں تک مسلمانوں کی رسائی تقریباً ناممکن ہو گئی لہٰذا ایسی صورتحال میں اکبر قوم کو ہوش کے ناخن لینے کا مشورہ دے رہے ہیں اور انگریزوں کے جھوٹے وعدوں سے نکل کر حقیقی صورت حال کے سامنا کرنے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔

شعر نمبر ۱۱ :

مغربی ثقافت کے دلدادہ مسلمانوں کو مخاطب کرکے اکبر کہتے ہیں کہ دنیاوی فائدے وقتی مفادات کی خاطر جس طرح مذہب کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اس کا انجام بہر حال اچّھا نہیں ہو گا۔ اس طرح قوم پوری طرح غلام بن جائے گی۔ مذہب کے علاوہ ہمارا کوئی دوسرا ٹھکانہ نہیں۔ضروری ہے کہ ہم اپنی شناخت کے ساتھ زندہ رہیں ورنہ مغربی غلامی کا تاج سر پر سجا کر ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

طلوعِ اسلام

علّامہ اقبالؔ

- نصاب میں شامل نظم طلوعِ اسلام کے پہلے اور پانچویں بند کی بلند خوانی سے قبل علّامہ اقبالؔ کے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کا جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- اقبالؔ کی حیات اور کارناموں سے مختصراً طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- طلبا سے ان کی نظموں اور تصانیف کے بارے میں پوچھا جائے۔
- اقبالؔ کی نظم نگاری کی چیدہ چیدہ خصوصیات اور اہم نکات نوٹ کروائے جائیں۔
- اقبالؔ کے مختلف فلسفیانہ افکار کے بارے میں طلبا سے سوالات کیے جائیں۔ اس سلسلے میں انہیں ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔
- مغرب کے ساتھ اقبال کے رویّے اور خیالات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اقبالؔ کی نظم نگاری پر ایک مختصر تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل نظم طلوع اسلام کے دونوں بند کی بلند خوانی کرواکر اہم جُز کی وضاحت کی جائے اور مشکل الفاظ اور معنی لکھوائے جائیں۔
- یہ نظم کس طرح ملّتِ اسلامیہ کے مردہ جسم میں روح پھونکنے کا سبب بنی اس حوالے سے اس نظم کی اہمیت اور ادبی مقام و مرتبے کے بارے میں طلبا کو بتایا جائے۔
- نظم کا تنقیدی جائزہ لے کر اہم نکات ضبط تحریر میں لائے جائیں اور طلبا سے اس موضوع پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- طلبا سے اس نظم کا خلاصہ لکھوایا جائے اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- اقبالؔ نے اس نظم میں جو پیغام دیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تفصیل سے روشنی ڈالیے اور اس نظم کے ذریعے پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیجیے۔
- نظم کے دونوں بند کی الگ الگ تشریح لکھوائی جائے۔ تشریح کرواتے ہوئے طلبا کی رہنمائی کی جائے۔ ایک بند کی مفصل تشریح نصاب کی کتاب میں پیش کی جا چکی ہے اور دوسرے بند کے اہم نکات کو رہنمائے اساتذہ میں قلمبند کیا جا رہا ہے تاکہ اساتذہ اس سے مدد لے کر طلبا کو بہتر تشریح کرواسکیں۔

بند نمبر ۲ :

اقبالؔ اس بند کے پہلے شعر میں جذبۂ ایمانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیر وتلوار، سیاسی چالوں اور مختص منصوبہ بندی سے غلامی کی زنجیریں نہیں کٹتیں بلکہ ان زنجیروں کو توڑنے کے لیے مکمل اور پختہ اور مضبوط ایمان کامل ضروری ہے۔

دوسرے شعر میں مردِ مومن کی قوت بعد زورِ بازو کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا اندازہ لگانا ممکن ہے یعنی مومن اگر چاہے تو فقط اپنی نگاہوں سے تقدیر بدل سکتا ہے ، ہوا کے رُخ کو تبدیل کر سکتا ہے یہی مومن کی نشانی ہے۔

اگلے شعر میں وہ بادشاہت اور اشیا کے علم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب ایمانِ کامل ہو۔ شاعر کے نزدیک بادشاہت اور سلطنت یہ سب حقیر چیزیں ہیں اصل چیز ایمانِ کامل ہے۔

اگلے شعر میں شاعر صفت تلمیح کا استعمال کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی نگاہ اور عقل وشعور کی بات کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں ایسی بصیرت بھری نگاہ کا ہونا آج کے زمانے میں تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ہمارے دلوں میں خواہشات اور ہوس کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ کچھ اس طرح گھر کر چکا ہے کہ آج ہم وہ کردار اور خوبیاں اپنے اندر پیدا نہیں کر پا رہے ہیں۔ اگر ان ہوس اور لالچ کے بتوں کو چکنا چور کرنا ہے تو ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی بصیرت اور نگاہ اپنے اندر پیدا کریں۔

اگلے شعر میں انہوں نے غلام اور آقا کے تصور کو انسانیت کے لیے زہر قاتل قرار دیتے ہوئے اسے مسلمانوں کے زوال اور پستی کا سبب قرار دے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس رویّے کے ردِعمل میں جب قدرت بدلہ لے گی تو ان سزاؤں کو جھیلنا آسان نہیں ہو گا۔ اس شعر میں وہ انسانی مساوات اور برابری کا درس دے رہے ہیں۔

آگے جا کر وہ جُز اور کل کے نکتے کو سمجھاتے ہوئے یہ بتا رہے ہیں کہ ہر شے کی اصل اور حقیقت ایک ہے، چاہے وہ مٹّی جیسی حقیر چیز سے وجود میں آئی ہو یا نور سے ، اس لیے کہ اس کائنات کے ہر ذرّے میں ایسا ایسا راز پوشیدہ ہے کہ اس ذرّے میں پورا ایک جہان آباد ہے اس کی مثال وہ خورشید سے دے رہے ہیں کہ جب وہ سمٹتا ہے تو بظاہر ایک ذرّے جیسا ہوجاتا ہے۔ مگر اپنی وسعت میں وہ آفتاب بن کر پوری کائنات کو روشن کر دیتا ہے۔

اگلے بند کے ابتدائی شعر میں وہ مسلمانوں کو ایک بار پھر اس اہم نکتے کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا پر حکمرانی کسی جنگی ساز و سامان سے ممکن نہیں، اگر اس کائنات پر اللہ کا نظام نافذ کرنا ہے تو مسلسل جدوجہد، پختہ ایمان، یقین کامل اور انسانی دلوں کو فتح کرنے والی محبّت کی ضرورت ہوتی ہے، اگر مومن یہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لے تو کامیابی ضرور ان کا مقدّر بنے گی۔

سب سے آخر میں شاعر نیک، بلند کردار اور پاک باز لوگوں کی نشانیاں بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی بلند فطرتی، وسیع النظری اور مسلک میں بالکل خالص ہونا ضروری ہے۔ وہ جب اشیا پر غور کرے تو وسیع النظری کا مظاہرہ کریں، اس کی نگاہیں دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں وہ اعلیٰ ظرف ہو اور محبوبِ حقیقی کے عشق میں ایسا پختہ ہو کہ دنیاوی حرص و لالچ سے اس کو کوئی سروکار نہ ہو۔

او دیس سے آنے والے بتا

اختر شیرانی

- نظم کی بلند خوانی سے قبل اختر شیرانی کی حیات اور شاعرانہ محاسن پر مختصراً گفتگو کی جائے۔
- رومانی تحریک کا پس منظر بتاتے ہوئے اس تحریک میں اختر شیرانی کی حیثیت سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- ان کی مشہور نظموں اور تصانیف کے حوالے سے طلبا کو معلومات فراہم کی جائیں۔
- اختر نے اپنی شاعری میں ہیئت کے جو تجربے کیے ہیں اس کی مثالیں طلبا کے سامنے پیش کیجیے۔
- اختر کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے ان کی نظموں کے محاسن پر روشنی ڈالی جائے۔ ساتھ ہی شاعرانہ خوبیوں کے حوالے سے اہم نکات قلمبند کروایا جائے۔
- اختر کی رومانویت اور جذبۂ حب الوطنی کی وضاحت کیجیے۔
- اختر کے فلسفۂ عشق کے بنیادی نکات طلبا کے گوش گزار کیجیے۔
- ان کی شاعری میں جو موسیقیت اور ترنّم پایا جاتا ہے، اسلوب اور موضوعات کے حوالے سے طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔
- اختر کی شاعرانہ خصوصیات پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- مختلف طلبا سے نظم کے مختلف بند کی بلند خوانی کروائی جائے۔ مشکل الفاظ اور معنی لکھوانے کے ساتھ ساتھ نظم کے اہم نکات ہے۔ مختصراً طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اختر نے اس نظم میں غریب الوطنی کے تصور کو جس رومانی انداز سے پیش کیا ہے اس کے اہم نکات کو اجاگر کر کے قلمبند کروایا جائے۔
- نظم میں موجود منظر نگاری کو پیش کرتے ہوئے جس شاعرانہ حُسن سے کام لیا گیا ہے اس بارے میں بھی طلبا کی توجہ دلائی جائے۔
- نظم کے شعری محاسن کو طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اہم نکات کو ضرور نوٹ کروایا جائے۔
- اس نظم کا ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل خلاصہ لکھوایا جائے۔
- نظم کے ہر بند کے اہم نکات اور مرکزی خیال کو قلمبند کیا جا رہا ہے، اساتذہ کو چاہیے کہ اس کی مدد سے طلبا کو ہر بند کی تشریح کروانے میں مدد اور رہنمائی کریں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

بند نمبر ۱ :

شاعر اس بند میں اہلِ وطن کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے دوست احباب کی خیر خیریت دریافت کر رہے ہیں۔ اپنی غریب الوطنی کا رونا رو کر اپنے وطن کے حسین اور خوبصورت لوگ، وہاں کے باغات، درخت اور جنّت نظیر نظاروں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔

بند نمبر ۲ :

اس بند میں وہاں کے موسم ، خوشگوار ماحول ، فضا ، مستی سے بھری ہوائیں ، گھٹائیں اور وہاں کے دلکش نظاروں کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ اپنی بے قراری اور بے تابی کا اظہار کر کے وہ اس وطن کے دلفریب مناظر کو یاد کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۳ :

اس بند میں اپنے وطن کی سہانی راتوں ، چاند اور ستاروں کے دلفریب نظاروں اور بچپن کھیل تماشوں کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۴ :

اس بند میں اپنے وطن کی حسین صبح اور شاموں اور دلکش نظاروں کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ سورج کے غروب ہوتے وقت جو سرخی چھاتی ہے اس منظر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں پھر شام کی سرخی اور رات کی سیاہی کے ملنے کا منظر دریافت کرتے ہیں، وہاں کے باغوں میں جو پھول کھلتے ہیں اس کی خوشبو کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

بند نمبر ۵ :

اس بند میں اپنے وطن کے باغوں میں موجود شگفتہ اور شاداب کھلے ہوئے پھولوں کا حال دریافت کر رہے ہیں۔ پھولوں کا ہار بنا کر بیچنے والی مالن اور اس کے خریداروں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

بند نمبر ۶ :

اس بند میں شاعر رات اور صبح کے طلوع اور غریب کے منظر کی دلفریبی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، ساتھ ہی اندھیروں میں پھیلی ہوئی دھندلی دھند، ٹمٹماتی شمعوں اور اس کے سایوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

بند نمبر ۷ :

اس بند میں شاعر اپنے وطن کی سہانی راتوں کا ذکر کرتے ہوئے عشق اور رومان کی باتیں یاد کر رہے ہیں ، وہاں گائے جانے والے گیتوں اور نو عمروں پر چلنے والے حُسن کے جادو کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۸ :

اس بند میں شاعر وہاں کے بازاروں کی چہل پہل ، بغل اور گھر سے ، تلواریں لٹکائے جوان اور بیل گاڑیوں میں بیٹھے ان بازاروں میں گھومتے ترکان کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۹ :

اس بند میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے عبادت خانوں سے آنے والی مخصوص اور دل لبھانے والی اذان اور مندروں سے بجنے والی گھنٹیوں کی آواز کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ شام کی سرخی میں ان مقدس آوازوں اور خوشبوؤں کو یاد کرکے شاعر اس روح پرور مناظر کی یادوں میں کھو جاتے ہیں۔

بند نمبر ۱۰ :

اس بند میں شاعر دیہات کی مخصوص فضا اور ماحول میں خوبصورت دوشیزاؤں کا گاگریں اٹھائے کنوئیں سے پانی بھرنے کے منظر کو یاد کر رہے ہیں ، وہ ان دوشیزاؤں کی شرارتوں ، ان کی مسکراہٹ اور مسکراہٹ کے بارے میں جاننے کے خواہشمند ہیں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

بند نمبر ۱۱ :

اس بند میں شاعر موسمِ برسات کی دلکشی ، اس موسم کے نتیجے میں باغوں میں پڑنے والے جھولے اور مدھر گیت اور آس پاس انہیں تاکتے نو عمر دیوانوں اور خوبصورت مناظر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۱۲ :

اس بند میں بھی موسم برسات کے بارے میں ہی دریافت کیا جا رہا ہے لیکن یہاں وہاں اس موسم کے ذریعے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھانے والے برساتی دل اور ساحلوں پر چلنے والی ٹھنڈی اور نم آلود ہواؤں کے بارے میں جاننے کے متمنی ہیں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس موسم کی مستی میں کیا آج بھی منچلے نوجوان اسی طرح اونچے ٹیلوں میں بیٹھ کر محبت کے گیت گاتے ہیں یا نہیں۔

بند نمبر ۱۳ :

اس بند میں پہاڑ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں گھٹاؤں اور سیاہ گہرے بادلوں کے بارے میں دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ ساحل کے ساتھ پھیلے ہوئے گھنے درختوں سے ٹکراتی ہواؤں اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی مخصوص آواز کی دلفریبی کے بارے میں بھی جاننے کا متمنی ہے۔ ساتھ ساتھ اس موسم میں جھینگر جس طرح مخصوص آواز میں گیت گا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اس بارے میں بھی دریافت کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۱۴ :

شاعر اس بند میں وطن کے تہواروں ، میلوں ، ٹھیلوں اور موسم برسات اور ساون ، جھولے اور امڈے بادلوں کو جاننے کا متمنی ہے۔

بند نمبر ۱۵ :

اس بند میں اپنے وطن کے رواں دواں دریا، جسے وہ بل کھاتی لہراتی ہوئی ناگن سے تشبیہ دے کر یاد

کرتے ہیں۔ وہ اس دریا کو نور کی ہنسلی اور حور کی گردن سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس بل کھاتے حسین دریا کو اس انداز میں بہتا دیکھنا چاہتے ہیں۔

بند نمبر ۱۶ :

اس بند میں بھی بادل کے لہرانے اور جھومنے کے مناظر کو یاد کرکے برسات کی وجہ سے فضا میں جو تازگی چھاتی ہے اس کا پوچھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دریا کے کنارے آنے والے طوفان اور رات کے اندھیرے میں گونجنے والے ملاح کے گیتوں کو بھی یاد کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۱۷ :

برسات کے دنوں میں باغ کا منظر، جھومتی ، لہراتی شاخیں، برکھا کے گیت اور دلوں کو لبھانے والے رومان پرور منظر کو شاعر اس بند میں یاد کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۱۸ :

دور آسمان پر جھومنے والے بادل اور گھٹائیں ، دریا کے کنارے پھیلے باغوں میں جھومتی سر مست ہوائیں ، پودے ، درخت اور ان کے پتوں اور شاخوں کی سرسراہٹ جس طرح اس خاموش فضا میں دلکشی پیدا کرتی ہے شاعر ان تمام باتوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہ رہے ہیں۔

بند نمبر ۱۹ :

اس بند میں اپنے دوست احباب کا دریا کے کنارے جانا ، گھنے سایہ دار اور سرسبز و شاداب درختوں کا اسی طرح وہاں موجود ہونا اور چاندنی راتوں کے حُسن کے حوالے سے ان دلکش نظاروں کے بارے میں جاننے کے لیے شاعر بے قرار نظر آتے ہیں۔

بند نمبر ۲۰ :

اس بند میں ساون کے مہینے کے خوبصورت مناظر مثلاً آم کے درختوں پر رات کی تاریکی میں پپیہوں کا گیت گانا اور ان گیتوں کی سریلی آواز کے ذریعے چاندی کے پردوں جیسے چھنتی چاندنی راتوں

میں تالابوں اور ندی نالوں میں اس مدھ بھرے گیتوں کا رس گھولنا ، ان تمام مناظر کے بارے میں شاعر معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بند نمبر ۲۱ :

اس بند میں شاعر اپنے وطن کے مکتب اور مدرسے کی پاکیزہ اور معصوم فضاؤں ، اس زمانے کے کھیل ، ہم عمر دوست ، میدان غرض کے مدرسے کی ہر چیز اس چیز کے بارے میں جاننے کا خواہش مند نظر آتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے بچپن کے شب و روز گزارے تھے۔

بند نمبر ۲۲ :

اس بند میں شاعر اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں اور چاہنے والوں کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں کہ اب بھی وہ دوست احباب اور محبّت کرنے والوں کے دلوں میں ان کی یاد باقی ہے یا نہیں؟

بند نمبر ۲۳ :

اس بند میں وہ گزشتہ بند کی ہی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے سوالیہ انداز سے اپنے وطن کے باغات، فضاؤں، برسات ، گھٹاؤں ، ہواؤں اور دریا کے کنارے موجود ہر شے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ کیا ان اشیا نے بھی مجھے یاد رکھا ہے یا نہیں۔ میں غریب الوطن آج تک ان یادوں کو نہیں بھول سکا لیکن کیا دلکش نظاروں نے بھی مجھے یاد رکھا ہے یا نہیں؟

بند نمبر ۲۴ :

اس بند میں وہ گاؤں کی خوبصورت راتیں ، حسیناؤں کا تالاب کی جانب جانا اور چاندنی راتوں میں رنگین اور خوبصورت گیت گانا ، ان مناظر کو یاد کرکے یہ جاننے کے خواہش مند ہیں کہ کیا اب بھی ویسا ہی ہوتا ہے یا نہیں؟

بند نمبر ۲۵ :

اس بند میں شاعر چرواہوں کا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ لے کر پہاڑوں اور کھیتوں کی طرف جانا اور

شام کے اندھیرے میں ریوڑوں کو لے کے گھروں کو لوٹنا اور اس دوران سریلی بانسریوں سے عشق اور محبّت کے گیت گانا وغیرہ جیسی تمام باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بے چین اور بےقرار نظر آتے ہیں۔

بند نمبر ۲۶ :

اس بند میں ایک بار پھر گاؤں میں ساون کے موسم میں برسات کا برسنا، صبح سویرے گھروں سے چکی چلنے اور آٹا پیسنے کی آوازیں اور نو بیاہتا دلہنوں کا چکی پیستے ہوئے اپنے میکے کو یاد کرکے بچھڑی ہوئی سہیلیوں اور سکھیوں کے گیت گانے کے مناظر کو شاعر یاد کرتے ہیں اور ان تمام باتوں کے بارے میں جاننے کے لیے بےقرار ہیں۔

بند نمبر ۲۷ :

اس بند میں شاعر دریا کے اس گھاٹ کو یاد کر رہے ہیں جہاں سے بہت سی خواب آلودہ یادیں وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں کی فضائیں، مناظر، تالاب، کھیت، جنگل اور ان جگھوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ کو بھی شاعر یاد کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۲۸ :

اس بند میں شاعر پرانے کھنڈرات اور اس کے عبرت ناک نظاروں کو یاد کر رہے ہیں اس کے علاوہ ’’پورنا کا مندر‘‘ جہاں سے کبھی ہندو پجاری جوش وخروش سے رزق کی دعا مانگتے تھے کیا اب بھی وہاں ویسی ہی مایوسی طاری ہے، فوجی چھاؤنی کے اُجڑے گھر اور ان کی ویرانی کو بھی شاعر یاد کر رہے ہیں۔

بند نمبر ۲۹ :

اس بند میں وہ اپنے بچپن کے رومان بھرے لمحات اور داخلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ان حسیناؤں اور مہ جبینوں کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں جنہیں دیکھ کر اچھّے اچھّے زاہدوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا تھا۔ شاعر اپنے دوست سے کہتے ہیں کہ ہم دونوں جس کے حُسن کے دیوانے

تھے، جس کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتے تھے بتاؤ کہ اب وہ شمعِ محفل کس حال میں ہے۔ کیا اب بھی اسی طرح سب کے ایمان کو متزلزل کرتی ہے یا اب وہ محفلیں ویران ہو چکی ہیں۔

بند نمبر ۳۰:

اس بند میں گزشتہ بات کو ہی آگے بڑھاتے ہوئے نام لے کر اس حسین دوشیزہ جس کا نام ''مرجانہ'' تھا، کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حسین پھولوں جیسے چہرے والی اور خوبصورت گفتگو کرنے والی محبوبہ جس پر سب ہی نو عمر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے، وہ محبوبہ جس کا جسم چاندی سے بھی زیادہ سفید ہے اور جس کو دیکھ کر لمبے درخت اور چنبیلی کے پھول بھی رشک کرتے ہیں، بتاؤ کہ اب وہ محبوبہ کس حال میں ہے۔

بند نمبر ۳۱:

اس بند میں بھی گزشتہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے محبوبہ کی روشن آنکھوں اور ان آنکھوں میں چمکنے والے روشن ستاروں کی بابت دریافت کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے محبوب کے گلابی ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ جو دوسروں پر بجلی گراتی تھی، اس کے بارے میں بھی جاننے کے خواہش مند ہیں۔

بند نمبر ۳۲:

اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے محبوب کے سرخ گالوں پر پھیلی سیاہ زلفیں جو ناگ کی طرح بل کھا کر لہراتی تھیں اور جن کو دیکھ کر ساون کی سیاہ راتوں کے سہانے سپنوں میں انسان کھو جاتا تھا۔ شاعر ان باتوں کو جاننے کا متمنی ہے کہ کیا اب بھی محبوب ویسا ہی ہے؟

بند نمبر ۳۳:

اس بند میں وہ بچپن کی اس محبوبہ کو خواب میں جوان ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ وہ اپنے دوست سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ اب بھی میکے میں ہے یا سسرال جا چکی ہے۔ اس کی دوشیزگی برقرار ہے یا یہ حُسن اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر چکی ہے۔ وہ خوش وخرم ہے یا اداس، شاعر ان تمام باتوں کو جاننے کا خواہش مند ہے۔

بول

فیض احمد فیضؔ

- نظم ''بول'' کی بلند خوانی سے قبل فیض احمد فیضؔ کے عہد اور اس دور میں اٹھنے والی ادبی تحاریک کا مختصراً جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- ترقی پسند تحریک کا پس منظر اور ادب پر خصوصاً اُردو شاعری پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لے کر اہم نکات نوٹ کرائے جائیں۔
- فیضؔ کی شاعری کے موضوعات اور رجحانات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- فیضؔ کے مختلف مجموعۂ کلام کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔ اس حوالے سے انہیں معلومات فراہم کی جائیں۔
- فیضؔ کی اسیری کی زندگی اور اس کی وجوہات پر روشنی ڈال کر شاعری پر پڑنے والے اثرات کی مثالیں طلبا کے سامنے پیش کی جائیں۔
- فیضؔ نے اپنی شاعری میں عام لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا، اس کی مثالیں پیش کریں اور طلبا کو اس عہد کے سماجی اور سیاسی پس منظر میں لے جا کر ان نظموں کے مفاہیم سمجھائے جائیں۔
- رومان اور انقلاب کی مثالیں ان کی نظموں سے پیش کی جائیں۔
- فیضؔ کے یہاں استعمال ہونے والے الفاظ و تراکیب کی مثالیں دے کر ان کے اسلوب کی خوبیاں طلبا کے سامنے پیش کی جائیں۔
- فیضؔ کی نظم نگاری کی اہم خصوصیات پر طلبا سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔ جہاں جہاں ضرورت ہو طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- نصاب میں شامل نظم ''بول'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔ مشکل الفاظ اور معنی کے ساتھ اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- اس نظم کا پس منظر اور مرکزی خیال طلبا کے سامنے بیان کیا جائے۔

- استاد کو چاہیے کہ معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم، عورتوں اور مردوں کے درمیان روا رکھا جانے والا غیر مساویانہ سلوک، اس رویے کے بھیانک نتائج وغیرہ سے طلبا کو آگاہ کرے۔
- خصوصاً نظم ''بول'' میں شاعر نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اسے تفصیل سے پیش کیا جائے۔
- تحریکِ نسواں کے حوالے سے بھی طلبا سے سوالات کیے جائیں اور ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔
- اس عہد سے لے کر اب تک عورتوں کے خصوصی اور آزادیٔ نسواں کے حوالے سے جو بھی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اس بارے میں گفتگو کی جائے اور ان تبدیلیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگی پر پڑنے والے مثبت اثرات کا جائزہ لیجیے۔
- نظم کا ۲۵۰ الفاظ پر مشتمل خلاصہ لکھوایئے اس سلسلے میں طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- اس نظم کے ہر شعر کی الگ الگ تشریح کروائی جائے اس سلسلے میں ہر شعر کے اہم نکات یہاں قلمبند کیے جا رہے ہیں اساتذہ ان سے مدد لے کر طلبا کو بہتر تشریح لکھوانے میں مدد کر سکتے ہیں۔

شعر نمبر ۱:

فیضؔ، یہاں تحریکِ نسواں کی تحریک سے متاثر ہو کر اس شعر میں عورتوں کو یہ باور کرانا چاہ رہے ہیں کہ وہ بھی اس معاشرے میں اتنا ہی حق رکھتی ہیں جتنا مرد۔ لہٰذا ظلم، جبر، ناانصافی اور سماجی ناہمواری کے خلاف اب زبان کھولنا ضروری ہے۔ چپ رہنا دراصل غلامی قبول کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اپنے حقوق کے لیے اب ضرور آواز بلند کروانا تمہارے وجود کا احساس باقی ہے۔

شعر نمبر ۲:

عورت کو نازک بدن اور کمزور سمجھ کر مرد اس کی مظلومیت اور مجبوری سے ہمیشہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے لیکن عورتوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اب اپنے لبوں کو کھولو، ڈر کر خاموش ہو جانے کے بجائے ظالم و جابر لوگوں کے سامنے سر مت جھکاؤ۔ بلا شبہ تمہارا جسم نازک ہے لیکن سوچ، خیالات اور افکار میں کسی طرح تم مردوں سے کم نہیں۔ لہٰذا اس نازک جان کے ساتھ بھی تم سر اٹھا کر جی سکتی ہو بس شرط یہ ہے کہ تمہیں خاموشی کو توڑ کر اپنے حق کے لیے بولنا ہوگا۔

شعر نمبر ۳:

جس طرح ایک لوہار بھٹی میں لوہے کو پگھلا کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے بالکل اسی طرح اے عورتو! تم بھی اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرو کہ برسوں سے جکڑی ہوئی غلامی کی یہ زنجیریں ٹوٹ جائیں۔ لوہا اس وقت گرم ہے اب یہی وہ وقت ہے کہ ان ظالموں پر کاری ضرب لگائی جائے اور اپنے مقاصد حاصل کر لیے جائیں۔

شعر نمبر ۴:

اس شعر میں احتجاج اور ردِعمل کے بعد مایوسی اور نا امیدی سے نکلنے کی نوید سناتے ہوئے شاعر یہ کہہ رہے ہیں کہ اب تک جو قفل تمہاری زبانوں پر لگا کر رکھی گئی اور جس طرح غیرت اور مصلحت کے نام پر انہیں پابند رکھا گیا، قیدی کی طرح زندگی دی گئی، اب وہ وقت جلد رخصت ہونے والا ہے لہٰذا اب یہ زنجیر اور تالے پگھل کر ٹوٹ جائیں گے اور عورتوں کو بھی آزادی مل سکے گی۔

شعر نمبر ۵:

یہاں شاعر جوش اور ولولہ پیدا کرتے ہوئے ان ڈری سہمی ہوئی عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے ہی کہ جسم میں جب تک جان ہے اور وہ موت کی آغوش میں نہیں چلی جاتی تو اس وقت کو غنیمت جانو اور سچ اور حق کا پرچم بلند کرو، یہاں وہ یہ بھی سمجھا رہے ہیں کہ یہ بڑا مناسب موقع ہے پوری دنیا میں عورت کی آزادی اور تحریکِ نسواں زوروں پر ہے لہٰذا اس وقت سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرو۔

شعر نمبر ۶:

فیضؔ یہاں اس فلسفے کو بنیاد بنا کر کہ سچ ہمیشہ زندہ رہتا ہے، عورتوں کو کہہ رہے ہیں کہ سچ کہنے سے مت گھبراؤ کیوں کہ سچ کبھی نہیں مٹتا لہٰذا جس سچ کو تم برسوں سے اپنے سینے میں دبائے بیٹھے ہو اب اپنی زبان تک لے آؤ، خواہ اس سچ کی کوئی قیمت تمہیں کیوں نہ دینی پڑے۔ مگر اس سچ کا دوسروں کو بہت فائدہ ہوگا ورنہ آج کی زباں بندی ہمیشہ اس محروم طبقے کو ظلم کی چکی میں پسنے پر مجبور کر دے گی۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

غزل

غزل اُردو کی مقبول ترین صنفِ سُخن ہے۔ یہ ہماری شاعری کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ اسی کی بدولت اُردو شاعری میں عظمت اور وقعت پیدا ہوئی اور اُردو شاعری اس قابل ہوسکی کہ دوسری زبانوں کے شعری ادب سے آنکھ ملا سکے۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں سے بات چیت کرنا ہے جبکہ شعری اصطلاح میں اس سے مراد ایسی صنفِ سُخن ہے جس میں وارداتِ حُسن و عشق، قلبی کیفیات اور تصوّف وغیرہ کے مضامین لگے بندھے اصولوں کے مطابق باندھے جائیں۔ جدید دور میں یہ صنف فلسفہ، سیاسی، سماجی اور اخلاقی موضوعات کو بھی اپنے اندر سمیٹنے کی پوری صلاحیت پیدا کرچکی ہے۔

غزل اپنی ہیئت کے اعتبار سے ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی پوری غزل میں ایک ہی خیال کو تسلسل کے ساتھ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اسے غزلِ مسلسل کہتے ہیں۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں مطلع، مقطع، ردیف اور قافیہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ غزل کا مطلع ہونا ضروری ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے جبکہ پہلے مصرع میں قافیہ کی پابندی ضروری نہیں۔ بعض غزلیں بغیر ردیف کے بھی ہوتی ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر بالعموم اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے۔ اسے مقطع کہتے ہیں۔ دورِ قدیم میں ایک غزل کے اشعار کی تعداد عام طور پر پانچ سے سترہ تک ہوتی تھی۔ ہمیں طویل غزلوں کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ بعض شعرا اسی بحر اور ردیف و قافیہ میں دوسری غزلیں کہی ہیں جنھیں دوغزل، سہ غزل اور چہار غزل کہتے ہیں۔ جدید دور میں شعرا غزل تعداد اشعار کی قید کو بے معنی سمجھتے ہیں۔

غزل کا ہر شعر کیونکہ مکمل معنیٰ کا حامل ہوتا ہے اسی لیے ہر شعر کا دوسرے شعر سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہوتا۔ غزل کا شاعر صرف دو مصرعوں میں بڑے سے بڑا خیال اور اپنے فکر و فلسفے کو بیان کردیتا ہے۔ چنانچہ غزل کے مخالفین یہ اعتراض کرتے نظر آتے ہیں کہ اس صنف میں مربوط فکر کے بجائے ریزہ خیالی ملتی ہے۔ بعض ناقدین اسی ریزہ خیالی کو غزل کی سب سے بڑی خوبی بھی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزل ہی دنیا کی واحد مقبول صنفِ سُخن ہے جس میں نہایت مختصر پیرائے میں بڑے سے بڑے خیال کو سمونے کی صلاحیت موجود ہے۔

اُردو غزل گوئی کا آغاز بھی دیگر اصناف کی طرح فارسی کے ذریعے ہوا۔ فارسی کے مشہور شاعر ابو الحسن رودگی نے شاعری کی ایک نئی صنف کی بنیاد ڈالی جو غزل کے نام سے دنیائے ادب میں مشہور ہوئی۔ ولؔی دکنی اُردو غزل کے پہلے قابل ذکر شاعر ہیں۔ اس صنف کے ارتقا اور اسے عروج تک پہنچانے میں میؔر، سودؔا، دردؔ، انشاؔء، مصحفؔی، آتشؔ، غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، ظفرؔ، داغؔ اور حالؔی وغیرہ کا نہایت اہم کردار رہا ہے۔ دورِ جدید میں اقبالؔ، حسرؔت، یگاؔنہ، فانؔی، جگرؔ، اصغرؔ، فراقؔ، ناصرؔ کاظمی، فیضؔ، فرازؔ اور منیؔر نیازی وغیرہ نے اس صنف میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔

میر تقی میؔر

- اُردو غزل گوئی کی مختصر تاریخ بیان کی جائے۔
- صنفِ غزل کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔
- غزل کے موضوعات اور بدلتے رجحانات پر گفتگو کی جائے۔
- اُردو غزل کی تاریخ میں میؔر کے مقام اور مرتبے کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- میؔر کے عہد کے سیاسی اور سماجی منظر نامے پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی شاعری پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ پیش کیا جائے۔
- میؔر کے حالات زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے شاعری پر پڑنے والے اثرات کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔
- میؔر کے عہد اور بعد کے زمانے میں شعرا اور نقادوں نے ان کے بارے میں کس قسم کی آرا کا اظہار کیا اس بارے میں طلبا کو معلومات فراہم کی جائیں۔
- دلّی کی تباہی و بربادی نے ان کی غزلوں میں حزن و ملال کی جو کیفیت پیدا کی اس کی نشاندہی کرتے ہوئے اہم نکات اور اشعار لکھوائے جائیں۔
- غمِ عشق کا اثر ان کی شاعری میں کیا تبدیلیاں لے کر آ رہا تھا، اس بارے میں گفتگو کی جائے۔
- رنج و الم کی کیفیت کے بارے میں اہم نکات اور اشعار کی مثالیں پیش کی جائیں۔
- ان کی خود پسندی کی مثالیں دی جائیں۔

- اسلوب کی دلکش اور تشبیہ و استعارے کے دل نشیں استعمال نے ان کی شاعری میں نئی معنویت اور حُسن عطا کیا ہے اس بارے میں طلبا کو اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- میؔر کی شاعری کا مجموعی جائزے کے لیے ایک مختصر لیکچر کا اہتمام کیا جائے۔
- بعد میں میؔر کے بارے میں طلبا سے سوالات کیے جائیں۔
- میؔر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لکھوایا جائے۔ اس سلسلے میں طلبا کی مناسب مدد اور رہنمائی کی جائے۔
- نصاب میں شامل میؔر کے دونوں غزلوں کی بلند خوانی کروائی جائے۔ تلفّظ اور ادائیگی میں ہونے والی غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔
- مشکل الفاظ اور معنی لکھوائے جائیں۔
- غزل کی تشریح سے قبل نیچے درج ہر شعر کے اہم نکات کا مطالعہ کرلیا جائے تاکہ بہتر تشریح کرانے میں آسانی ہو سکے۔
- ہر شعر کی تشریح کراتے ہوئے خود میؔر یا دیگر شعرا کے یہاں ان ہی موضوعات پر کیے گئے دیگر مماثل اشعار کی مثالیں بھی دی جائیں تاکہ مفہوم اور واضح ہوجائے۔

غزل نمبر ۱:

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

مطلع میں شاعر کہتے ہیں کہ اس مطلع میں شاعر دنیا کے فنا ہونے کے تصور کو اُجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بادشاہت حکمرانی ، مال و دولت اور اختیارات جس پر آج غرور اور تکبّر کرتے ہوئے فخر کیا جا رہا ہے۔ محض چند روزہ ہیں۔ یہ چیزیں ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں۔ ہمیں جس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے لہٰذا اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب جسم میں جان باقی نہ ہو گی اور لوگ اس پر آنسو بہا رہے ہوں گے۔ اس کی ساری دولت اور بادشاہت کسی کام نہ آسکے گی اور سارا غرور و گھمنڈ خاک میں مل چکا ہو گا چنانچہ دنیا میں یہ رویّہ کم عقلی اور نادانی ہے۔

شرمندہ ترے رُخ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا

محبوب کے حُسن کی تعریف و توصیف اُردو شعرا کا پسندیدہ ترین موضوع رہا ہے۔ اس شعر میں بھی شاعر محبوب کے حسین چہرے اور خوبصورت چال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کے حُسن کے آگے پری کا حُسن بھی ماند پڑ جاتا ہے اور اس کی خوبصورت اور دلکش چال کے آگے پہاڑی چکور بھی شرما جاتا ہے جس کی حسین چال کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لُٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

انسان موت کی حقیقت کو فراموش کرکے دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ شاعر یہاں دنیا اور آخرت کی حقیقت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سارا مال و متاع، جائیداد، دھن دولت یہیں پڑا رہ جائے گا۔ وقت رخصت کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ کفن پہن کر دنیا سے کوچ کرنا پڑے گا۔ تاریخ انسانی میں بڑے سے بڑا بادشاہ ہو یا کوئی مشہور و معروف ہستی، ہر کسی کو اپنے اصل کی طرف لوٹ جانا ہے لہٰذ اس مال و دولت کی فکر چھوڑو جو یہیں پڑا رہ جائے گا اور آخر کی فکر کرو۔

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں میں
اب سنگ مداوا ہے اس آشُفتہ سری کا

شدّتِ غم سے جب جنون اور پاگل پن کی کیفیت طاری ہوئی تو دوستوں نے پاگل سمجھ کر قید خانے میں بند کر دیا۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس قید و بند کی حالت میں بھی میرے جنون اور دیوانگی میں ذرّہ برابر کمی نہیں آئی۔ میری دیوانگی کا علاج کسی حکیم اور دانا کی کسی آزمودہ دوا میں نہیں بلکہ محبوب کی رفاقت میں ہے۔ اس دیوانگی کو قرار اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ پتھر سے اپنے آپ کو لہولہان کر لوں اور اپنی جان دے دوں تاکہ اس آشُفتہ سری سے جان چھوٹ جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ہر زخمِ جگر داورِ محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا

جگر پر لگنے والا ایک ایک زخم روزِ محشر، اللہ سے انصاف طلب کرے گا۔ جو کچھ بھی ظلم و ستم محبوب نے عاشق پر روا رکھتے ہیں وہ اس پر توجہ کناں ہے۔ محبوب کو ظلم سے باز رکھنے کے لیے ڈراتے ہوئے اس کے ہر ستم اور بے وفائی کو یاد دلا رہا ہے۔ تاکہ محبوب اپنی جفاؤں سے باز آ جائے اور اس پر نظرِ التفات ڈالے۔

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

اس شعر میں دیدارِ یار کی کیفیت میں پیدا ہونے والی صورتحال کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیوۂ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ ایک بار اگر کوئی دل میں سما جائے تو ہمیشہ اسی کو نظروں میں بسا کر رکھا جائے۔ کسی اور کی طرف دیکھنا آدابِ عشق کی توہین ہے لیکن آئینے پر کسی کو اختیار نہیں۔ تاک جھانک ہمیشہ سے اس کی عادت رہی ہے۔ پریشان نظری اس کی فطرت کا خاصہ ہے لہٰذا ایسے میں تو ہمیشہ محبوب کی یاد میں محو رہتا ہوں لیکن آئینہ اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔

صد موسمِ گل ہم کو تہ بال ہی گزارے
مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا

غمِ عشق اور غمِ روزگار نے قبر کی زندگی سے خوشیوں کو چھین لیا تھا۔ وہ ہمیشہ رنج و الم کی تصویر بنے رہتے۔ اسی عالم میں سینکڑوں بار موسمِ بہار آئے اور چلی گئے لیکن وہ بے یار و مددگار اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکے۔ صدمات اور ناکامی نے انہیں ان تمام رنگینیوں سے بے گانہ کر دیا اور تیاری دنیا ویران نظر آنے لگی۔

اس رنگ سے چمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
ٹکڑا ہے بڑا اشک عقیق جگری کا

جب دل پر کوئی چوٹ لگتی ہے تو عاشق خون کے آنسو روتا ہے۔ عقیق جگر سے مراد یہاں خون کے آنسو ہیں۔ میرؔ کہتے ہیں کہ محبوب کی یاد میں کھو کر جب پلکوں پر آنسو آتے ہیں تو دراصل وہ آنسو

نہیں بلکہ دل کے زخم ہیں جو آنسوؤں کی شکل میں پلکوں سے بہہ رہے ہیں۔

کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر
تھا دستِ نگر پنجۂ مژگاں کی تری کا

رنج و غم اور رونے دھونے کی انتہائی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے شاعر کہتے ہیں کہ لگتا ہے کہ سمندر بھی میرے آنسوؤں کا محتاج تھا لہٰذا جب میں نے ان کی محتاجی دیکھی تو اس قدر زار و قطار رویا کہ وہ سیراب ہو گیا۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اسی کارگہِ شیشہ گری کا

میؔر کائنات کو شیشہ سازی کے کارخانے سے تشبیہ دے رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا کے تمام امور کی انجام دہی میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ نیز قدم پھونک پھونک کر اٹھانا چاہیے کیونکہ جس طرح شیشہ نازک ہوتا ہے اور ایک ذرا میں چوٹ لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے بالکل اسی طرح اگر کائنات میں کسی کا دل ٹوٹ جائے تو کبھی نہیں جڑتا۔ اس میں شیشے کی طرح ہمیشہ داغ رہ جاتا ہے۔

ٹک میؔر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

مقطع میں شاعر اپنی زندگی کو بجھتے ہوئے چراغ کی مانند قرار دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ذرا جلدی سے میؔر کے ٹوٹے ہوئے دل کی خبر لے لو۔ اس کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آنکھیں بند ہو جائیں اور تم ساری زندگی ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔ اس لیے فوراً اسے اپنا دیدار کروا دو تا کہ اسے بھی تمہاری محبّت کا یقین آ جائے اور پُرسکون موت نصیب ہو سکے۔

غزل نمبر ۲ :

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

اس مطلع میں شاعر مرضِ عشق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر طرح کی تدبیر، حکمت عملی اور علاج کرکے دیکھ لیا لیکن اضطرابِ عشق میں کسی طرح بھی قرار نہ آسکا۔ تمام احتیاط بے سود گئی۔ عشق سے نجات حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ وہ روگ ہے جو جان لیوا مرض کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کی شدّت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ دیکھ لینا کہ یہ دل کا روگ میری جان لے کر ہی رہے گا۔

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

میؔر نے اس شعر میں اپنی زندگی کی سچی تصویر پیش کی ہے۔ یہ تصویر صرف میؔر کی نہیں بلکہ ہر اس شخص کی ہے جس کی زندگی مسائل اور تکالیف کا شکار رہی ہے۔ میؔر کا زمانہ انتشار اور بدنظمی کا زمانہ تھا، ساتھ ساتھ ان کی ذاتی زندگی بھی مصائب میں گھری ہوئی تھی۔ ان تمام حالات نے میؔر جیسے حسّاس دل شاعر پر گہرا اثر کیا۔ اسی کا اظہار کرتے ہوئے میؔر کہتے ہیں کہ جوانی کا زمانہ جو سب سے پُرلطف زمانہ ہوتا ہے جذبے اور امنگیں جوان ہوتی ہیں میں نے وہ سنہرا دور بھی بس رو دھو کر گزار لیا اور اب بڑھاپا آیا تو دنیا سے چل چلاؤ کا وقت آ گیا۔ غرض جوانی سے لے کر بڑھاپے تک سکون اور راحت نصیب نہیں ہوئی گویا ہماری زندگی ایک ایسی سیاہ رات کے جیسی ہے جس میں رات تو جاگتے جاگتے بسر ہو گئی اور جب صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

حرف نہیں جاں بخشی میں اُس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

اُردو شاعری میں محبوب کی فطرت میں ظلم و ستم کے مضامین کو مختلف انداز سے پیش کیا جاتا رہا ہے یہاں بھی میؔر محبوب کی اس جفاکشی اور سنگدلی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب نے کسی

قسم کی رحم دلی اور نرمی کی توقع رکھنا بے کار ہے اسی لیے اس کے کسی فعل وعمل پر اب میں حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتا۔ وہ جب مجھے رکاوٹ کے ساتھ زندگی کا پیغام دیتا ہے تو اسے بھی میں اپنی موت کا پیغام سمجھتا ہوں کیونکہ ساری زندگی ظلم ستم روا رکھنا اس کا شیوہ رہا ہے۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

میؔر اس شعر میں فلسفۂ جبر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ سے بے کسی اور مجبوری کی تصویر ہے، اپنی قسمت کے ہاتھوں لاچار ہے۔ کائنات کے تمام معاملات اسی مالک و مختار کے ہاتھ میں ہے جس سے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لہٰذا انسان کو خود مختار کہہ کر کس لیے تمام معاملات کا الزام اس پر دھرا جاتا ہے۔ میؔر کا خیال ہے کہ جو کچھ بھی زندگی میں اچھا یا بُرا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی دلیل بھی موجود ہے لیکن اس فلسفے کا دوسرا پہلو ''قدر'' ہے جس کی دلیل بھی قرآن سے ہی دی جاتی ہے۔ خیر و اختیار دونوں ہی انسان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا کچھ معاملات میں انسان کو مکمل اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔

سارے رِند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

انسان جیسا خود ہوتا ہے اس کا حلقۂ احباب بھی اسی قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ میؔر یہاں اس اہم نکتے کو بیان کرتے ہوئے اپنے محبوب کی فطرت اور صحبت کا حال بیان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے کبھی بھی اپنے محبوب کی رفاقت حاصل نہیں کر سکا لیکن اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب عجیب وغریب ٹیڑھے ترچھے اور بدنام لوگوں کو اس کے در پر سر جھکائے کھڑا دیکھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اس قدر گھٹیا اور غیر مہذب لوگ بھی میرے محبوب کی امامت تسلیم کرتے ہیں تو خود وہ مزاجاً کتنا ٹیڑھا ہوگا۔

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اُور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

شاعر آدابِ عشق کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پاگل پن اور دیوانگی کی حالت میں بھی محبوب کا احترام ضرور میرے پیش نظر رہا۔ ہر صورت میں اس کی عزت و ناموس کو میں نے مقدم جانا۔ جب کبھی اس کی طرف قدم بڑھے، لمبی مسافت طے کرتے ہوئے ہم نے ہر قدم پر سجدہ کرنا ضروری سمجھا۔ غلطی سے کبھی خیالِ یار نے اس عمل میں رکاوٹ بننے کی کوشش بھی کی تو ہمیشہ اس پر ندامت محسوس کی اور ان سجدوں میں مزید تیزی آ گئی۔

کس کا کعبہ ، کیسا قبلہ ، کون حرم ہے ، کیا احرام
کوچہ کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

مسلکِ عشق کی پیروی میر کو اپنے والد سے ورثے میں ملی لہٰذا وہ کسی بھی مذہب اور مسلک کی ظاہری اور رسمی پیروی کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ کعبہ، قبلہ، حرم اور احرام کے تصوّرات سے بالاتر ہو کر وہ مسلک عشق کی پیروی لازمی سمجھتے ہیں جو دنیا کے ہر مذہب کا آفاقی تصور بھی ہے۔ اسی لیے وہ ان بناوٹی رسومات کو دور سے سلام بھیج کر سارے عالم میں پیغامِ حق پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا ، رات کو تھا میخانے میں
جبّہ ، خرقہ ، کرتا ، ٹوپی ، مستی میں انعام کیا

مذہبی پیشواؤں کا مذاق اڑاتے ہوئے میؔر کہتے ہیں کہ بظاہر پارسائی اور پاکبازی کا دم بھرنے والے یہ لوگ عملی طور پر سیاہ کرتوت کے مالک ہیں۔ طنزیہ انداز اختیار کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ مسجد میں اپنے لباس اور حلیے سے بے نیاز یہ شخص بظاہر خدا کی یاد میں مستغرق نظر آتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رات یہ شراب خانے میں حد سے زیادہ پینے کی وجہ سے مست ہو کر اپنا سب کچھ ساقی کو انعام کے طور پر دے آیا ہے۔ اب مسجد میں ڈھونگ رچا کر خدا کی یاد میں کھویا نظر آتا ہے۔ میؔر یہاں ان نام ونہاد مذہبی قسم کے لوگوں پر چوٹ کر رہے ہیں جو دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھ کر روحانیت سے دور ہو چکے ہیں اور اپنی آخرت بھلا بیٹھے ہیں۔

کاش اب برقع منھ سے اُٹھا دے ، ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مندے پر اُن نے گو دیدار کو اپنے عام کیا

دیدارِ یار کی خواہش لیے میؔر موت کی دہلیز تک پہنچ چکے ہیں لیکن ان کی خواہش اب بھی پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ وہ پھر بھی امید اور آس کا دیا جلائے رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر موت کی آغوش میں جانے کے بعد اس نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ بھی دیا تو وہ بے مقصد ہو گا۔ انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تو پتھرا چکی ہوں گی۔ کاش کچھ ایسا معجزہ ہو کہ میری آنکھیں بے نور ہونے سے قبل محبوب اپنا دیدار کروا دے۔ رُخِ یار سے پردہ اٹھتے ہی یا تو مجھے پھر سے نئی زندگی مل جائے گی یا اس جاں کنی کی مشکلات کم ہو جائیں گی۔ ہر دو صورت میں سکون اور قرار کی دولت تو نصیب ہو ہی جائے گی۔

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا ، یا دن کو جوں توں شام کیا

میؔر اس شعر میں انسان کی بے اختیاری اور رنج و الم کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معاملاتِ روز و شب میں انسان مجبورِ محض ہے۔ جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہے اسے چپ چاپ سہنا پڑتا ہے۔ ذاتی غم ہو یا غمِ زمانہ ، ہر دکھ اور تکلیف کو روتے دھوتے سہتا ہے۔ اسی طرح اس کی زندگی کے روز و شب گزرتے ہیں۔ حالات کے ستم دیکھتے دیکھتے وہ اپنی ساری عمر گزار دیتا ہے۔ میؔر کا یہ شعر فلسفۂ غم کا بہترین عکّاس ہے۔

صبح چمن میں ، اُس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گل کو مول لیا ، قامت سے سرو غلام کیا

محبوب کے حُسن کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے شاعر کہتے ہیں کہ صبح کی سیر کے لیے محبوب جیسے ہی باغ میں قدم رکھتا ہے وہاں موجود پھول ، پودے ، درخت اور تمام مظاہر فطرت اس کے حُسن کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ اس کے چہرے کی نرمی خد و خال اور قد و قامت کو دیکھ کر سب ہی اس کی غلامی میں آنے کو تیار نظر آتے ہیں۔ محبوب کے بے پناہ حُسن کے آگے دراز قامت سرو کے درختوں

اور خوش نما پھولوں کی خوبصورتی بھی ماند پڑ جاتی ہے۔

ساعدِ سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول وقسم پر ہائے خیالِ خام کیا

وعدہ خلافی اور عہد سے پھرنا محبوب کی فطرت کا خاصہ ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی عاشق ہمیشہ محبوب پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے عشق کا دم بھرتا ہے۔ اکثر محبوب کی خوبصورت گوری کلائیوں کو تھام کر عہد و پیماں باندھتا ہے۔ محبوب جھوٹی قسموں اور وعدوں سے تسلی دیتا ہے جس کے نتیجے میں عاشق ہاتھ چھوڑ کر اسے جانے دیتا ہے۔ اپنی فطرت اور عادت کے مطابق محبوب پھر سے وعدہ خلافی کرتی ہے جس پر عاشق اظہارِ افسوس کر رہا ہے کہ کاش اس پر بھروسہ نہ کیا ہوتا تاکہ صدمات نہ سہنے پڑتے۔ یہ اعتبار کرنا سب سے بڑی بے وقوفی اور خام خیالی تھی جس پر عاشق پچھتاوا محسوس کر رہا ہے۔

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوگنی اُن نے، جوں جوں میں ابرام کیا

حد درجے کی عاجزی و انکساری اور ادب و احترام نے سارا کام بگاڑ دیا ہے۔ اس عجز و انکسار کو محبوب میری کمزوری سمجھ کر مزید بے نیازی سے پیش آ رہا ہے۔ جیسے جیسے میرا تقاضائے محبّت بڑھ رہا ہے ویسے ویسے محبوب کی بے نیازی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بے نیازی نے مجھے ناکامی اور نامرادی کا مزہ دکھایا ہے یہاں بھی شاعر محبوب کی سنگدلی اور ظلم وستم کی تصویر کھینچتے نظر آتے ہیں۔

ایسے آہوئے رَم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا ، اعجاز کیا ، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میؔر کا محبوب ، ہرن کی طرح تیز اور چالاک ہے۔ اسے شکار کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اسے رام کرنے کی کوئی صورت شاعر کو نہیں سوجھتی لیکن وہ اس وقت شدید حیرت میں مبتلا ہوجاتا ہے جب دوسرے اسے شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ میؔر اس بات کو کسی انہونی یا معجزے سے کم نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے بھی اسے راضی کیا وہ لائق تسلیم ہیں۔ یہ کسی جادوئی کمال سے کم نہیں۔

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا دَیر میں بیٹھا ، کب کا ترک اسلام کیا

مذہبی تعصب ، شدّت پسندی اور فرقہ بندی سے بالاتر ہو کر میرؔ نے ہمیشہ بین المذاہب ہم آہنگی کا درس دیا۔ اسی لیے وہ اس مطلع کے ذریعے محبّت کے ذریعے سارے عالم کو پیغام امن دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ مذہب میں اعتدال کو ضروری سمجھتے تھے اسی لیے شدت پسندی کی مخالفت کرتے ہوئے یہ تک کہہ جاتے ہیں کہ میرے مذہب کے بارے میں سوال بے معنیٰ ہے کیونکہ میں تو کب کا اسّ شدت پسندی کو چھوڑ کر ماتھے پر تلک لگائے کبھی مندر اور کبھی صلیب لٹکائے گرجا گھر میں جا کر بیٹھ جاتا ہوں۔ اس شعر سے ہرگز مراد یہ نہیں کہ وہ اسلام کے خلاف بات کر رہے ہیں بلکہ باہمی رواداری کا پیغام دے رہے ہیں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

مرزا غالبؔ

- غالبؔ کی زندگی کا مختصر احوال بیان کرتے ہوئے اس عہد کا منظر نامہ بھی بیان کیا جائے۔
- اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اس عہد میں شاعری کے موضوعات اور اسالیب میں کسی قسم کی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں اس کی معلومات فراہم کی جائے۔
- غالبؔ کی شاعری پر ایک مختصر لیکچر کا اہتمام کیا جائے۔ دورانِ لیکچر اہم نکات لکھوائے جائیں۔ موضوع کی مناسبت سے شاعرانہ مثالیں بھی پیش کی جائیں۔
- غالبؔ کی مشکل پسندی کی وجوہات پیش کی جائیں۔ اس مشکل پسندی نے ان کے لیے کیا کیا مسائل پیدا کیے اس کی نشاندہی کی جائے۔
- غالبؔ ایک روایت شکن شاعر تھے۔ اس حوالے سے مثالیں پیش کی جائیں۔ ان کی جدّت پسندی کے حوالے سے اہم ترین نکات طلبا کو لکھوائے جائیں۔
- زندگی کے گہرے شعور اور فلسفیانہ خیالات نے ان کی شاعری میں کس قسم کا رنگ پیدا کیا؟ اس کی مثالیں دی جائیں۔
- تخیّل کی بلند پروازی کے حوالے سے گفتگو کی جائے۔
- اسلوب کی تبدیلی کے نتیجے میں شاعری میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی مثالیں دے کر اس حوالے سے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- سہلِ ممتنع کے حوالے سے گفتگو کی جائے۔ غالبؔ کی غزلوں سے اس کی مثالیں پیش کرکے ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- تصوف اور حیات و کائنات کے مسائل پر غالبؔ نے جس طرح انوکھے اور اچھوتے انداز سے شعر کہے ہیں اس کی وضاحت کی جائے۔
- سادہ اور چھوٹی بحروں والی غزلوں کی انفرادیت اور مقبولیت پر روشنی ڈال کر اس حوالے سے ایک مضمون لکھوایا جائے۔

- غالبؔ کی شاعری کا مجموعی جائزہ لے کر طلبا سے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔ اس سلسلے میں جہاں ضروری ہو مناسب مدد اور رہنمائی کی جائے۔
- غالبؔ اور اس عہد کے دوسرے اہم ترین غزل گو شاعر مومنؔ کا موازنہ کر کے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ان دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ لکھوایا جائے۔
- غزل گوئی میں غالبؔ کے مقام اور مرتبے کا تعین کر کے اس حوالے سے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل غزلوں کے تمام اشعار کا مرکزی خیال طلبا کے سامنے بیان کیا جائے۔
- غزلوں کی بلند خوانی کرائی جائے۔ تلفّظ اور ادائیگی میں ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی جائے۔ ان کی اصلاح بھی کی جائے۔
- مشکل الفاظ اور معنی لکھوائے جائیں۔
- غزل کی تشریح کرواتے ہوئے درج ذیل ہر شعر کے اہم نکات کا مطالعہ کر لیا جائے تا کہ بہتر تشریح مزید وضاحت کے ساتھ کی جا سکے۔
- ہر شعر کی تشریح کرواتے ہوئے غالبؔ یا دیگر شعرا کے یہاں انہیں موضوعات پر کہے گئے دیگر اشعار کی مثالیں بھی دی جائیں۔

غزل نمبر ۱:

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

انتظار کی کیفیت موت سے بھی زیادہ سخت اور تکلیف دہ اذیت ہے۔ اس مطلع میں غالبؔ اس پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری قسمت میں محبوب کا وصال ہے ہی نہیں لہٰذا انتظار کی کوفت اُٹھانے سے بہتر یہی ہے کہ ہم مر جائیں۔ اگر کچھ عرصہ اور جیتے رہتے تو اسے بھی محبوب کے انتظار ہی میں گزارنا پڑتا۔ مقدّر میں جب محبوب سے ملاقات میں لکھی ہے تو انتظار کی زحمتیں اُٹھانے سے بہتر موت ہے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ترے وعدے پر جیے ہم ، تو یہ جان ، جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا

شاعر محبوب کے وعدۂ وصل کو سچّا نہ جان کر کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ وصل کے لمحات میسّر آنے والے ہیں۔ پھر تو اس خوشی کی خبر کو ہم برداشت ہی نہ کر پاتے اور مر جاتے۔ تو یہ سمجھ لے کہ وصل کے وعدے کا سن کر بھی اگر ہم زندہ ہیں تو یقیناً ہم نے تیرے وعدے کو سچّا نہیں سمجھا ہے۔

تری نازکی سے جانا ، کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا ، اگر استوار ہوتا

شاعر اپنے محبوب کو سراپا نزاکت قرار دیتے ہوئے کہتے ہی کہ جس طرح تو نازک اندام ہے بالکل اسی طرح تیرا وعدہ بھی جھوٹا ہے۔ اگر وہ پیمانِ عہد جھوٹا اور کمزور نہیں ہوتا اور تو وفا شعار ہوتا تو کبھی بھی عہد وفا کو نہیں توڑتا لیکن تیری تو سرشت میں بے وفائی ہے لہٰذا تو کبھی اپنے وعدہ کے پورا نہیں کرے گا۔

کوئی میرے دل سے پوچھے ، ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی ، جو جگر کے پار ہوتا

شاعر محبوب کی طرف سے پھینکے گئے تیر اور اس کے نتیجے میں جگر پر لگنے والے زخم کی لذّت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہتے ہی کہ اگر یہ تیر جگر کے پار ہوجاتا تو اتنا لطف نہ آتا جتنا اس وقت چبھن اور کھٹک کے نتیجے میں مزہ دے رہا ہے۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کا جملہ لذّت اور خلش کی ایک خاص کیفیت کو واضح کر رہا ہے۔

یہ کہاں کی دوستی ہے ، کہ بنے ہیں دوست ، ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا ، کوئی غمگسار ہوتا

غالبؔ اپنے دوستوں پر سے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کیسی دوستی ہے کہ ہر کوئی مجھے نصیحت اور وعظ کرنے پر تُلا بیٹھا ہے یہ کرو ، یہ نہ کرو ، کیا اس طرح دوستی کا حق ادا ہوسکتا ہے؟ حقیقی دوستی کا تقاضا تو یہ ہے کہ کوئی میرے غم کو بانٹنے کی کوشش کرتا، میرے دکھ میں شریک ہوتا، میرے

زخموں پر مرہم رکھتا، محبوب سے ملانے کا کوئی طریقہ سوچتا لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ دوستوں نے میرا غم تو غلط کرنے کی کوشش تو نہیں کی الٹا نصیحتیں شروع کر دی ہیں جو کہ مجھے سخت ناگوار گزرتی ہیں۔

رگِ سنگ سے ٹپکتا ، وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو ، یہ اگر شرار ہوتا

شاعر یہاں فلسفۂ غم کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غم ایک ایسی ہلاکت خیز شے ہے جو پتھر کی رگوں سے بھی لہو ٹپکا سکتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر شدتِ غم سے پتھر پگھل سکتے ہیں تو انسانی دل اس کا کیا اثر ہوتا ہوگا، انسان تو ایک حسّاس دل لے کر پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا رنج و غم اس کے قلب و جگر پر کس طرح چوٹ پہنچاتی ہو گی اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں۔

غم اگرچہ جاں گسل ہے، پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا ، غمِ روزگار ہوتا

غم یقیناً ہلاکت خیز اور تباہ و برباد کر دینے والی شے ہے لیکن تاریخ انسانی میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس سے بچ سکا ہو۔ دل کا یہ خاصہ یا فطرت ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی غم میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر غمِ عشق نہ ہوتا تو زمانے کے دوسرے غموں میں الجھا رہتا۔ دنیا کی پریشانیاں اسے رنجیدہ رکھتیں۔ غمِ روزگار اور غمِ زمانہ سے کبھی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا صرف غمِ عشق کا رونا کیسا، یہ غم اگر نہ بھی ہوتا تو دوسرے غم ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے! شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا ، اگر ایک بار ہوتا

غالبؔ شبِ غم کی شدّت اور کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غم کی یہ رات اس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اب تک کوئی ایسا ہمدرد اور غم خوار ملا ہے جو اس اذیت کو سمجھ سکے۔ ایک ایک لمحہ ایسا ہے کہ گویا موت کی تکلیف مجھ پر طاری ہو۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ میں مرنے سے نہیں ڈرتا لیکن جانکنی کی جس کیفیت سے میں گزر رہا ہوں اس سے تو بہتر ہے کہ ایک بار جان نکل جاتی اور بار بار کی اس اذیت سے چھٹکارا پا لیتا۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا ، نہ کہیں مزار ہوتا

غالبؔ بعد از مرگ رسوائی کے خوف کو محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کاش ہماری موت ڈوبنے سے واقع ہوجائے۔ وہ بے کسی اور لاچاری کی تصویر بنے اس بات پر افسردہ نظر آتے ہیں کہ مرتے وقت نہ تو کوئی جنازہ اٹھانے والا تھا اور نہ ہی ان کی قبر کو دیکھ بھال کرنے والا۔ تربت بنی تو اس پر کوئی دیا جلانے والا بھی نہیں تھا لہٰذا اس بے کسی کی موت سے تو بہتر تھا کہ کہیں دریا میں ڈوب جاتے تاکہ اس سارے جھنجھٹ سے چھٹکارا مل جاتا اور وہ بے نام ونشان اس دنیا سے رخصت ہوجاتے۔

اُسے کون دیکھ سکتا ، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بُو بھی ہوتی ، تو کہیں دوچار ہوتا

غالبؔ اس شعر میں خدا کی وحدانیت کو بہت عمدگی سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا کو کون دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں اکیلا اور بے مثل ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا وجود نہیں۔ اگر اس میں ذرّہ برابر بھی دوئی کا شائبہ ہوتا تو اس کائنات میں جھگڑا ، فساد اور ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ عقیدۂ توحید کے تصور کو اجاگر کرتے ہوئے شاعر خدا کے یکتا و یگانہ ہونے کی دلیل پیش کر رہے ہیں جسے ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔

یہ مسائل تصوّف! یہ ترا بیان غالبؔ!
تجھے ہم ولی سمجھتے ، جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالبؔ نے فلسفہ ، حکمت اور تصوّف کے معاملات کو بڑے دل نشیں انداز سے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ مرزا غالبؔ کو نہ صرف خود اپنی ان خوبیوں کا اندازہ تھا بلکہ ان کے ہم عصر بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ اپنی انہی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہی کہ اے غالبؔ! جب تو تصوّف اور روحانیت کے مسائل بیان کرتا ہے تو تیرا اندازِ بیاں اتنا دلکش اور شیریں ہوتا ہے کہ لوگ اس کے اثر سے نکل ہی نہیں پاتے۔ تیری ولیوں کی سی باتیں لوگوں کے دلوں میں اتر جاتی ہیں۔ کاش تو شراب نوش نہ ہوتا تو تجھے ولی سمجھتے کیونکہ میری باتیں کس طرح بھی ولیوں سے کم نہیں۔

غزل نمبر ۲ :

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے"
تم ہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

مطلع میں غالبؔ اپنے محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہی کہ جب بھی میں گفتگو کرنے کے لیے زبان کھولتا ہوں، حرفِ مدعا زبان تک لاتا ہوں تو تمہارا رویہ انتہائی تلخ ہوجاتا ہے۔ تم میری بات اطمینان سے سننے کے بجائے فوراً اعتراض شروع کر دیتے ہو اور انتہائی درشت انداز سے بد زبانی سے بھی باز نہیں آتے۔ تو کون ہے؟ میری ہستی کیا ہے؟ جیسے سوالات میرے دل میں تیر کی طرح لگتے ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ کسی چاہنے والے سے کوئی اس انداز سے بھی گفتگو کرتا ہے؟

نہ شعلے میں یہ کرشمہ، نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ وہ شوخِ تُند خو کیا ہے؟

شاعر محبوب کی سخت مزاجی اور تندخوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے شعلہ اور کبھی برق سے تشبیہ دے کر خود ہی اس کی نفی کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں محبوب کے مزاج کو شعلہ سمجھتا ہوں تو پھر خیال آتا ہے کہ شعلے میں بھی وہ کرشمہ نہیں جو اس شوخ حسینہ میں ہے۔ پھر جب اسے برق یا بجلی قرار دیتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ وہ ادائیں اور عشوے بجلی میں کہاں جو میرے محبوب کے مزاج کا حصّہ ہے لہٰذا میں خود تذبذب کا شکار ہوں۔ تم ہی بتاؤ کہ آخر میں اسے کس چیز سے تشبیہ دوں اور کس طرح اس کے مزاج کو بیان کروں۔

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سُخن تم سے
وگرنہ خوفِ بد آموزئ عدو کیا ہے؟

رقیب کے روایتی تصور سے الگ یہاں غالبؔ اپنے دشمن کی قسمت پر رشک کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رقیب ان کے محبوب کو کیا غلط باتیں سکھائے گا۔ کس طرح بدگمان کرے گا، اس بات کی نہ تو انہیں فکر ہے اور نہ پروا۔ البتہ انہیں رشک اس بات کا ہے کہ رقیب کو ان کے محبوب سے ہم

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

کلام ہونے کا موقع ملا۔ غالب یہاں رقیب کے موضوع کو بڑے منفرد اور اچھوتے انداز سے پیش کر رہے ہیں۔

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے؟

شاعر یہاں شاہراہِ عشق کی تکالیف اور اذیتوں کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ راستہ بڑا پُر خطر اور پُر خار ہوتا ہے۔ اس پر چلتے ہوئے بے شمار زخم سہنے پڑتے ہیں۔ انہیں زخموں سے سارے وجود کو خون میں لت پت کر دیا ہے۔ لہو کی نمی کے باعث لباس بھی بدن میں چپک رہا ہے۔ لہٰذا اب پھٹے ہوئے گریبان اور تار تار لباس کو رفو کرنا بے معنی ہے کیونکہ وجود کا سارا حصہ ہی زخم خوردہ اور تار تار ہے۔

جلا ہے جسم جہاں ، دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ ، جستجو کیا ہے؟

غالبؔ سوزِ عشق کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب اب راکھ کریدنا لاحاصل ہے کیونکہ عشق کی آگ نے ہمارے جسم کو تو جلا کر بھسم کر ہی دیا ہے اس کے ساتھ ہی دل بھی جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب اس راکھ میں میرے دل کی تلاش بے سود ہے۔ اب اس شرمندگی اور پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں۔

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

شاعر یہاں اپنی جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اس لہو کے قائل نہیں جو رگوں میں دوڑتا ہے۔ بلکہ اس لہو کی ان کے نزدیک اہمیت ہے جو آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون کی شکل میں ٹپکے۔ غالبؔ یہاں شدتِ غم کی آخری حد کا اظہار کرتے ہوئے خون کے آنسو رونے کو شدتِ غم کی انتہا قرار دیتے ہیں۔ اس شعر میں بھی غالبؔ نے اس موضوع کو منفرد اور انوکھے انداز سے بیان کیا ہے۔

وہ چیز ، جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز

سوائے بادۂ گلفامِ مشک بو کیا ہے!

غالبؔ شراب کے بڑے رسیا تھے۔ اس شعر میں بھی وہ شراب سے اپنی رغبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنت میں یوں تو بے شمار نعمتیں ملیں گی۔ ہر قسم کے پھل، میٹھے پانی اور دودھ کی نہریں، شہد اور شرابِ طہورا وغیرہ ان نعمتوں کا ذکر خود قرآن میں بھی موجود ہے۔ غالبؔ کو ان تمام نعمتوں میں صرف شراب سے غرض ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اگر جنت میں جانے کی کوئی سبیل پیدا ہوجائے تو مجھے یہ جنت صرف اور صرف اس لیے عزیز اور پیاری ہو گی کہ وہاں سرخ پھولوں کی طرح خوشبو میں بسی خوش ذائقہ شراب بکثرت دستیاب ہو گی اور اسی لیے مجھے جنت میں دلچسپی ہے۔

پیوں شراب، اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے!

یہاں بھی شاعر اپنی کثرتِ شراب نوشی کا حال بیان کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صراحی، پیالہ اور کوزہ وغیرہ سے نہ تو ان کا جی بھرتا ہے اور نہ ہی پیاس بجھتی ہے۔ جب تک وہ شراب کے دو چار بھرے مٹکے نہ دیکھ لیں، شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ یعنی تھوڑی بہت شراب دیکھ کر ان کی مے نوشی اپنے جوش میں نہیں آتی یہ تو اسی وقت ممکن ہے جب مٹکے کے مٹکے بھر کے سامنے رکھے جائیں۔

رہی نہ طاقت گفتار، اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ، آرزو کیا ہے!

غالبؔ اپنی ناتوانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب نے عمر بھر تو بات نہ پوچھی، حالِ دل جاننا نہ چاہا۔ اب جبکہ ضعف سے اس حال کو پہنچ چکے ہیں کہ گفتگو کرنے کی بھی تاب نہیں رہی تو محبوب حرفِ مدعا زبان پر لانے کا تقاضا کر رہا ہے۔ کس امید پر ہم حرفِ آرزو اپنی زبان پر لائیں۔ معلوم نہیں وہ اب بھی میری بات پر توجہ دے گا یا نہیں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ہوا ہے شہ کا مصاحب ، پھرے ہے اِتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرو کیا ہے؟

مقطع میں بظاہر ایک سادہ سی بات تو یہ لگتی ہے کہ غالبؔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی قیمت اور دوستی کو اپنی وجہِ عزت اور بیان کر رہے ہیں لیکن اس شعر کا دوسرا پہلو بڑا دلچسپ ہے۔ شاعر یہاں اپنے ہم عصر شاعر ذوقؔ کو طنز وتعریض کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ غالبؔ اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کے درمیان معاصرانہ چشمک رہتی تھی۔ روایت ہے کہ ایک اور استاد ذوقؔ جو مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی بھی اصلاح کیا کرتے تھے پالکی میں بیٹھے کہیں جا رہے تھے۔ مرزا غالب نے انہیں دیکھتے ہی اس مقطع کا پہلا مصرع پڑھا۔ استاد ذوقؔ نے اس بات کی شکایت بادشاہ سے کی۔ بہادر شاہ ظفر نے مرزا غالبؔ کو بلوایا اور معاملہ دریافت کیا۔ اس کے جواب میں غالبؔ نے بڑی ذہانت سے کام لیتے ہوئے پوری غزل سنائی اور مقطع میں اپنا تخلّص استعمال کرکے اس کے پورے معنی ہی بدل ڈالے۔

حکیم مومن خان مومنؔ

- مومنؔ کی حیات اور شاعرانہ مقام و مرتبے کے بارے میں مختصر لیکچر کا اہتمام کیا جائے۔
- انیسویں صدی کے ادبی رجحانات خصوصاً غزل گوئی کے موضوعات کے بارے میں طلبا کو بتایا جائے۔
- عشق حقیقی اور عشق مجازی کی وضاحت کیجیے۔طلبا کو یہ بھی بتایا جائے کہ مومنؔ کے یہاں عشق مجازی کا عنصر کیوں غالب ہے۔
- مومنؔ کے یہاں انسانی شعور اور احساس کی فراوانی کے حوالے سے جس قسم کی کیفیت نمایاں ہے اس کی مثالیں غزلوں سے پیش کرکے طلبا کو اس کی تفصیلات فراہم کی جائے۔ معاملہ بندی کی وضاحت کرکے مومن کے اشعار سے اس کی انفرادیت کی مثالیں پیش کیجیے۔
- اس عہد کے دیگر شعرا خصوصاً غالبؔ سے ان کا موازنہ کیجیے۔
- ان کے اسلوب کے حوالے سے طلبا کو مختصراً بتایا جائے۔
- عام اہم نکات نوٹ کروائے جائیں۔
- وہ تخلّص سے جس قسم کے معنی پیدا کرتے ہیں اس کو بیان کرکے سلاست اور سادگی کے حوالے سے بھی ان کی غزلوں کا جائزہ پیش کریں۔
- مومنؔ کی غزل گوئی کا مجموعی جائزہ طلبا کے سامنے پیش کرکے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ان کی شعرانہ خصوصیات پر بچّوں سے ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔ اس سلسلے میں طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔مومنؔ کی غزلوں کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- بلند خوانی کرواتے ہوئے تلفّظ اور ادائیگی پر خصوصی توجہ دی جائے۔
- تمام مشکل الفاظ اور اس کے معنی لکھوائے جائیں۔
- نصاب میں شامل غزلوں کے تمام اشعار کا مقصد اور مرکزی خیال نیچے درج کیا جا رہا ہے۔ تشریح کرواتے ہوئے ان سے مدد لی جائے اور ہر شعر کی تشریح لکھوائی جائے۔

غزل نمبر ۱:

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

اس مطلع میں محبوب کی بے رُخی کا حال بیان کرتے ہوئے مومنؔ کہتے ہیں کہ ان کی وفاؤں کا ذرّہ برابر بھی محبوب پر اثر نہیں ہوتا۔غم کی شدّت سے بے قرار ہو کر میں کتنا ہی نالہ و فریاد کر لوں سنگدل محبوب کا دل نرم نہیں ہوتا اور وہ مجھ پر نظرِ التفات نہیں ڈالتا۔

بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

محبوب کو یہ شکایت ہے کہ میں ہر وقت اسے بے وفا اور سنگدل کہتا رہتا ہوں لیکن اتنا کچھ کہنے کے باوجود اس کی عادت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہمیشہ وعدہ کر کے بھول جاتا ہے اور ہم انتظار کی گھڑیاں تڑپ تڑپ کر گزارتے ہیں۔

ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرفِ ناصح بُرا نہیں ہوتا

ناصح کی کہی ہوئی بات پر ضرور غور کرنا چاہیے تاکہ بعد میں پچھتاوا اور رسوائی نہ ہو۔ ناصح اگر درست بات کرتے ہیں وہ رقیبوں اور غیر متعلقہ لوگوں کے بارے میں جو باتیں کرتے ہیں اس کا مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ کاش اس پر توجہ دی جاتی تو محبوب کے منھ سے اغیار کا ذکر نہیں سننا پڑتا۔

کس کو ہے ذوقِ تلخ کامی لیک
جنگ بن کچھ مزہ نہیں ہوتا

محبوب کے جھگڑنے میں بھی ایک لطف ہے اسی لیے شاعر اس لذّت اور چاشنی کا ذکر کر رہے ہیں۔ محبوب کی بد مزاجی اور الجھنے کا مزہ لیتے ہوئے شاعر کہتے ہیں گو کہ یہ لڑائی جھگڑا انہیں پسند نہیں لیکن اس نوک جھونک میں جو پیار ہے اس پیار کو پانے کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

دنیا میں سب کچھ ممکن ہے لیکن شاعر شکایتی انداز سے کہتے ہیں کہ اگر کچھ ناممکن نظر آ رہا ہے تو وہ صرف محبوب سے وصل کے لمحات ہیں۔ ہر طرح کے جتن کے باوجود محبوب کی بے وفائی میں کوئی کمی نہیں آئی اور شاعر کی تڑپ میں مزید شدّت آ جاتی ہے۔

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

دل کی قدر و قیمت کا وہی اندازہ کر سکتا ہے جس نے کسی کو دل دیا ہو۔ شاعر نے دل تو دے دیا لیکن وہ اس بات پر افسردہ اور فکر مند ہے کہ اس ٹوٹے ہوئے دل کو لے کر محبوب کیا کرے گا اسے تو نہ اس کی قدر ہے اور نہ ہی یہ اس کے کسی کام کا ہے۔

امتحاں کیجیے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا

شاعر ہر طرح کا امتحان دینے کو تیار نظر آتے ہیں۔ وہ ہر آزمائش کے لیے تیار نظر آتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی عشق کرنے والے کسی آزمائش سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی کٹھن راہوں سے ڈرتے ہیں۔

ایک دشمن کہ چرخ ہی نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا

اپنی قسمت کی ساری خرابی کا ذمہ دار شاعر فلک کو ٹھہراتے ہیں۔ ان کے خیال میں اگر آسمان سے دشمنی ختم ہو جائے تو ہر چیز ان کی مرضی کے مطابق ہونے لگے لیکن ان کی دعائیں بھی بے اثر ہیں اور ان دعاؤں کا اثر آسمان کی گردش پر بالکل نہیں ہوتا اور قسمت کی دیوی کسی طرح ان پر مہربان نہیں ہوتی اسی لیے وہ اپنی دعاؤں کو طنزیہ انداز سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اتنا معمولی کام بھی تم انجام نہیں دے سکتے جس سے میرے مقدّر کا ستارا بھی چمک جائے اور قسمت کی دیوی مجھ پر مہربان ہو جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

آہ طولِ امل ہے روز افزوں
گرچہ اِک مدّعا نہیں ہوتا

انسانی زندگی کی خواہشات سے ہر وقت کچھ کرنے پر اُکساتی رہتی ہیں۔ اسے متحرک رکھتی ہیں۔ ہر ناکامی اسے پھر سے ایک نیا جوش اور ولولہ عطا کرتی ہے۔ اسی مسلسل کوشش کا نام زندگی ہے۔ شاعر کی کوئی خواہش اور کوئی امید پوری ہوتی نظر نہیں آتی لیکن پھر بھی وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ دل میں ایک نیا جوش اور جذبہ محسوس کرتے ہیں۔

نارسائی سے دم رُکے تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

میری فطرت میں ناراضگی اور خفگی کا وجود بھی نہیں یہ تو محبوب کا شیوہ ہے البتہ اگر کوئی چیز جسم کو جان کے رشتے کو روک کر سانسوں کی ڈور کو کاٹنے کا سبب ہے تو صرف اور صرف محبوب سے دوری ہے۔ جب وہ میری دسترس سے دور ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دم گھٹا جا رہا ہے زندگی میں کوئی چمک باقی نہیں رہتی۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جب میں تنہا ہوتا ہوں تو اس وقت محبوب کے خیالات اور تصوّرات میں کھویا رہتا ہوں۔ شاعر یہاں اس قلبی تعلق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں انسان اپنے آپ کو بھول کر ہر وقت محبوب کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔ محفل میں تو اس سے ہم کلام ہونے کا موقع اسے نہیں ملتا۔ اسی لیے محبوب کو وہ اپنی تنہائیوں کا ساتھی بنا لیتا ہے۔

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

شاعر یہاں اپنے دل کی اضطراری کیفیت سے محبوب کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنی کیفیت اور حالت زار قلمبند نہیں کر پا رہے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے دل کی وہ بے قراری ہے جو انہیں وہاں سے ہاتھ

ہٹانے ہی نہیں دے رہی اور جب ہاتھ نہیں ہٹے گا تو حالت زار کس طرح لکھی جا سکتی ہے۔

رحم کر خصمِ جان غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

اپنے سنگدل محبوب کو مخاطب کرکے اس سے رحم کی اپیل کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر طرح کے مظالم کے باوجود میں محبوب کے لیے کسی قسم کے منفی جذبات نہیں رکھتا۔ میرا دل اوروں کی طرح نہیں جس میں فوراً کدورت بھر جائے بلکہ میں تو اپنے دشمنوں کے لیے بھی بُرا نہیں چاہتا لہٰذا تو بھی میری حالت پر رحم کر اور میرا دل توڑنے سے باز آ جا۔

دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا

عاشق اپنی ناکامی اور نامرادی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ محبوب کا دامن دل کتنا ہی وسیع ہو جائے مگر عاشق کی پہنچ اس کے دل تک ایک ناممکن کام ہے۔ جیسے جیسے محبوب کی قربت کے لیے آگے بڑھتے ہیں ویسے ویسے اس کا دامن سمٹتا چلا جاتا ہے۔

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

عشق میں صبر کی بڑی اہمیت ہے۔ جدائی کے اذیت ناک لمحوں میں صبر سے کام لے کر عاشق اپنے دل کی بے قراری کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں بھی جب محبوب عاشق کی بے تابی پر بار بار صبر کی نصیحت کر رہا ہے جبکہ دوسری طرف عاشق کا یہ کہنا ہے کہ اب محبوب کے بغیر اسے صبر بھی نہیں ہوتا لہٰذا فاصلے اور دوریاں مٹا کر وصالِ یار کی خواہش کرتا ہے تاکہ بے قرار دل کو صبر آ سکے۔

کیوں سنے عرضِ مُضطر مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

شاعر اس مقطع میں ایک خاص معنی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صنم جو کہ دل کی التماس سن ہی نہیں سکتا، وہ کس طرح اس بے قرار دل کو سکون عطا کر سکے گا۔ یہ کام کو صرف خدا کی ذات ہی

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

کے بس میں ہے لہٰذا میرے دل کے اضطراب کا اس سنگدل صنم پر کچھ اثر ہونا ممکن نہیں اس خدا کے حضور ہی میں اپنی التجائیں اور فریاد لے کر جاؤں گا۔

غزل نمبر ۲ :

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومؔن کی اس غزل میں ایک خاص طرح کا ترنّم اور موسیقیت موجود ہے۔ پوری غزل میں منفرد صوتی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مطلع میں شاعر محبوب کے جھوٹے وعدے کو یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم دونوں نے ساری زندگی ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ میں تو اپنے وعدے پر قائم ہوں لیکن معلوم نہیں تمھیں اپنا وہ وعدہ یاد بھی ہے یا نہیں۔

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیش تر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بھی کیا زمانہ تھا جب قسمت مجھ پر مہربان تھی۔ محبوب ہمیشہ مجھ پر نظر خاص رکھتا تھا اور اس کا ساتھ مجھے نصیب تھا۔ میں زندگی کے ان حسین لمحات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ لمحے میری زندگی کا حاصل تھے لیکن نجانے کیوں اب اس کے دل میں میرے بارے میں بدگمانی پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ پر وہ پہلی جیسی نظر عنایت نہیں۔ میرے محبوب کو وہ بیتے حسین پل یاد ہوں یا نہ ہوں لیکن میں ان یادوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

عشق میں روٹھنے اور منانے کا ایک الگ ہی مزہ ہے۔ شاعر ماضی کی یادوں میں کھو کر ان گلے شکوؤں کو یاد کرتا ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتے تھے۔ وہ ان بہانوں کو یاد کرتا ہے جو وہ محبوب سے ملاقات کے وقت گھڑا کرتا تھا۔ پھر ان حسین یادوں میں کھو کر محبوب کو بھی ان لمحات کو یاد دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے تو یہ ساری باتیں اچّھی طرح یاد ہیں میں

انھی یادوں کے سہارے جی رہا ہوں۔

کبھی بیٹھے سب میں جو رُو برو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بھی کیا زمانہ تھا جب محفلوں میں بیٹھ کر ہم اشاروں کنایوں میں اپنا اپنا پیغام ایک دوسرے کو پہنچایا کرتے تھے۔کبھی کبھی سب کی موجودگی میں بھی ہم اپنے دل کی بات کہہ دیا کرتے تھے۔ راز و نیاز کی باتیں ہوں یا حالِ دل کا اظہار، آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی دلی کیفیت سے آگاہ ہو جایا کرتے تھے۔ زندگی کے کیسے خوبصورت پل تھے لیکن اب یہ سب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ معلوم نہیں تمھیں یہ سب باتیں یاد بھی ہیں کہ نہیں لیکن میں ان یادوں سے کبھی بھی پیچھا نہیں چھڑا پایا۔

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بہ دم
گلۂ ملامتِ اقربا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

محبوب ہر وقت اپنی محبّت کا یقین چاہتا ہے اس لیے بار بار ملاقات کرکے اس کے یقین کو پختہ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہے۔ دوست احباب عزیز و اقارب بار بار کی ملاقاتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس لیے شاعر ان کے رویے کی شکایت کرتے ہوئے محبوب کو اپنی محبّت کا بار بار یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ سب باتیں محبوب کو یاد دلا رہے ہیں کہ کس طرح تمام لوگوں سے انھوں نے دشمنی اور عداوت مول لی لیکن تم نے یہ سب کچھ فراموش کر دیا لیکن تو کبھی بھی ان باتوں کو نہیں بھول پاتا۔

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

عشق میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب باہمی اعتماد اور بھروسہ بہت گہرا ہو جاتا ہے۔ شاعر یہاں اسی کیفیت کو یاد کرکے اس دور کو یاد کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کتنے خوبصورت لمحات تھے جب میری چھوٹی بڑی تمام غلطیوں کو محبوب صرفِ نظر کرکے معاف کر دیا کرتا تھا۔کبھی شکوہ شکایت زبان پر نہیں لاتا تھا۔لیکن اب نجانے کیا ہو گیا ہے کہ وہ مجھ سے بات کرنے اور ملنے کا روادار نہیں ہے۔

میں تو آج بھی اس معصومیت اور خلوص کو یاد کرتا ہوں لیکن پتہ نہیں میرے محبوب کو یہ باتیں یاد بھی ہیں کہ نہیں۔

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ایک وقت تھا کہ محبوب کے ساتھ چاہت اور الفت کے رشتے استوار تھے۔ ہم دونوں جذبۂ عشق سے سرشار تھے۔ ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ تھی۔ یک جان دو قالب تھے۔ پتہ نہیں اس دور کو میرے محبوب نے یاد بھی رکھا ہے یا نہیں لیکن میں تو اس پرخلوص رشتے کو آج بھی نہیں بھلا پایا۔

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اِک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر ہی کیا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

محبوب نے ساری زندگی ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ اپنے وعدے کو بھول چکا ہے۔ شاعر کو اسی بات کا دکھ ہے وہ کہتے ہیں کہ وعدہ نہ نبھانا محبوب کی فطرت ہے لیکن اس وعدے کو بھول جانا انتہائی درجے کی خودغرضی ہے۔ اسی لیے وہ اس بات پر افسردہ ہیں۔

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اُتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یوں تو محبوب کے ساتھ گزارے ہوئے تمام لمحات حسین ہوتے ہیں لیکن کچھ پل ایسے ہوتے ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ شاعر یہاں ایسی ہی ایک ملاقات یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوٹھے پر ہونے والی وہ ملاقات تمھیں یاد ہے جو زندگی کی یادگار ملاقاتوں میں سے ایک ہے لیکن انھیں حیرت کا شدید احساس اس وقت ہوتا ہے جب محبوب ان تمام باتوں سے لاتعلق ہو کر ان یادوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو ساری زندگی اس حسین ملاقات تو نہیں بھول پاؤں گا لیکن میرے محبوب نے اس اہم ملاقات کو بھی بھلا دیا۔

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شاعر اپنی ملاقات کے دوران محبوب کا روٹھنا اور لاکھ کوشش کے باوجود نہیں نہیں کی تکرار کے ساتھ ایسی ضد پر قائم رہنے والا واقعہ یاد دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں تو تمھاری اس ناراضگی کو بھی نہیں بھول پایا ہوں۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ میرا اس قدر منانا تم بھول جاؤ۔

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے با وفا
میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اے محبوب میں وہی مومنؔ ہوں جو ہزار جان سے تم پر مہربان رہتا تھا۔ جسے تم کبھی اپنا وفادار دوست اور ہم راز سمجھتے تھے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کل تک تو میں وفادار اور سچّا عاشق تھا لیکن آج معتوب قرار پاؤں۔ میں آج بھی تم سے وفا داری نبھانے کو تیار ہوں۔ آج بھی مجھے تم سے اسی طرح سچّا عشق ہے لیکن نجانے کیوں تم ان تمام باتوں کو بھول بیٹھے ہو۔

علّامہ اقبالؔ

- علّامہ اقبالؔ کے بارے میں گفتگو سے قبل ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور برصغیر پاک و ہند پر پڑنے والے اثرات کا مختصر جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- اس عہد کے سیاسی اور سماجی منظر نامے کے بارے میں مختصر گفتگو کی جائے۔
- اقبالؔ کے خیالات زندگی اور خاندانی پس منظر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔
- اس دور کے شاعرانہ رجحانات کے بارے میں طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اقبالؔ کی ابتدائی شاعری اور مرزا داغؔ دہلوی کے اثرات کے بارے میں طلبا کو آگاہ کرکے غزلوں سے کچھ مثالیں پیش کی جائیں۔
- ان کی غزل گوئی کے اہم ترین نکات بیان کرکے اسے نوٹ کروایا جائے۔
- سیاست ، مذہب اور تاریخ کے حوالے سے ان غزلوں میں جس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہے اس کی وضاحت کی جائے، طلبا کے سامنے ان موضوعات کی اہمیت اجاگر کرکے کلامِ اقبالؔ کی اہمیت اجاگر کی جائے۔
- جدّت پسندی کے حوالے سے ان کی غزلوں کی انفرادی خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے، مثالیں پیش کرکے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ان کی شاعری میں مقصدیت کی نشاندہی کرکے اس کی وجوہات پر روشنی ڈالی جائے۔
- ان کی غزلوں پر مغربی افکار کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ان کے فلسفیانہ افکار پر روشنی ڈالتے ہوئے شاعرانہ مثالیں پیش کی جائیں۔
- موضوعات کی جدّت ان کی غزلوں کی خاصیت ہے اس حوالے سے ان کی غزلوں کا جائزہ لے کر ان کی خصوصیات طلبا کو نوٹ کرائے جائیں۔
- اقبالؔ کی غزلوں کے اسلوب اور زبان کی منفرد خصوصیات کے حوالے سے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- طلبا سے اقبالؔ کی غزل گوئی کی نمایاں خصوصیات کے حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔ اس سلسلے میں جہاں ضروری ہو ان کی مدد کی جائے۔
- اقبالؔ کی غزلوں نے جدید غزل گوئی پر کیا اثرات مرتّب کیے ہیں۔

- اس کی وضاحت کی جائے۔ اُردو غزل گوئی میں اقبالؔ کے مقام و مذہب و نظریہ اسلام کے حوالے سے ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل ان کی غزلوں کا مرکزی خیال طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- ان کی غزلوں کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- تلفّظ اور ادائیگی میں ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کرکے اس کی اصلاح کی جائے تاکہ شعر کا درست تاثر قائم رہے۔
- تمام مشکل الفاظ کے معنی لکھوائے جائیں۔

غزل کی تشریح کی غرض سے ہر شعر کے اہم نکات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں طلبا کو تشریح کروانے میں ان سے مدد لی جائے۔

غزل نمبر ۱:

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سُوئے کوفہ و بغداد

اس مطلع میں اقبالؔ اہلِ نظر اور روشن دماغ لوگوں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہی لوگ دراصل اپنے افکار و خیالات کے ذریعے نئی دنیا پیدا کریں گے۔ قوم کی رہنمائی کریں گے۔ اہلِ بصیرت ماضی پرستی کو چھوڑ کر جدید تہذیب کی بنیاد ڈالیں گے۔ کوفہ و بغداد پر نظر ڈالنے کے بجائے حال اور مستقبل کا تعین نئی تحقیقات کی بنیاد پر کریں گے۔

یہ مدرسہ ، یہ جواں ، یہ سُرور و رعنائی
انھی کے دم سے ہے مے خانۂ فرنگ آباد

مغرب کی مادّیت پرستی اور جدید تہذیب کی چکا چوند سے متاثر ہوکر نوجوان بڑی تیزی سے اس رنگ میں رنگنے جا رہے تھے۔ جدید علوم کی درس گاہیں اور ظاہری چمک دمک دیکھ کر نوجوان اہلِ مغرب کی چالوں کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ اقبالؔ جدید تعلیم کے ہرگز خلاف نہیں لیکن ان جدّت پسند نوجوانوں کی وجہ سے جس طرح مغربی تہذیب تیزی سے پھیل رہی تھی اقبالؔ اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

دیکھتے ہیں اپنی تہذیب اور اصل کی طرف لوٹ آنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت ، وہ اندیشہ و نظر کا فساد

اقبالؔ یہاں فلسفے اور مذہب کے پیش روؤں پر تنقید کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کا فلسفی محض مادّیت پر انحصار کرتا ہے اور مذہبی پیشواؤں میں روحانیت نام کو نہیں۔ یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لیے فلسفہ اور مذہب کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے فتنوں اور جھگڑوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔ یہی لوگ فکر و نظر میں خرابی کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔ ان کے دل یقین اور ایمانِ کامل سے خالی ہیں اسی لیے ان کے نزدیک یہ دونوں حلقے ملّتِ اسلامیہ کے لیے سمِ قاتل کا درجہ رکھتے ہیں۔

فقیہِ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کُشاد

اقبالؔ دورِ جدید میں اسلامی فقہ کی تدوین نو یعنی جدید تشریح پر زور دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کہنے کا مقصد علمائے کرام اور شہر کی تحقیر نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قلب و نظر میں کشادگی پیدا کرکے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطالعہ اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے ورنہ ہر بات کھوکھلی اور حقیقت سے عاری نظر آئے گی۔

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد

اقبالؔ یہاں دولت اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دولت سے دنیا کے تمام عیش و آرام کو خریدنا آسان ہے اس کے ذریعے ایران کے مشہور شہنشاہ خسرو پرویز جیسی شان و شوکت حاصل کی جا سکتی ہے لیکن فرہاد کو اللہ تعالیٰ نے غمِ عشق کی جو دولت دی اس کا حصول کسی بازار سے ناممکن ہے۔ یہ صرف خدا کی دین ہے جو سچّے جذبے والے کو ہی وہ عطا کرتا ہے۔ آج بھی شیریں سے فرہاد کے عشق کو یاد رکھا جاتا ہے جبکہ خسرو پرویز کو کوئی اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتا۔

کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

اقبالؔ کے خیال میں قلندر صفت انسان خدا کی محبّت میں سرشار ہو کر نڈر اور حق گوئی جیسی خوبیاں اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ اس کے اندر مردِ مومن کی صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ زمانے کو اپنے مطابق ڈھالتا ہے خود اس کا پابند نہیں ہوتا اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے درویشی اور قلندری کے تمام رازوں سے پردہ اٹھا دیا ہے تا کہ نئی نسل ان نام نہاد درس گاہوں اور خانقاہوں کے بندھنوں سے پیچھا چھڑا کر آزاد ہوجائے اور زندگی کا حقیقی مقصد حاصل کر لے۔

رِشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

اقبالؔ ہندوستان کے اس سیاسی منظر نامے کو بیان کر رہے ہیں جس میں انگریزوں کی پالیسی کے خلاف اور ہندوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لیے مہاتما گاندھی نے بھوک ہڑتال کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح برہمنوں کا طلسم ٹوٹ جائے گا، ذات پات کی قید اٹھ جائے گی، سادات پیدا ہو گا لیکن ان تمام مقاصد کے حصول میں وہ ناکام رہے۔ شاعر اسی فلسفے کو سلجھاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پاس عصائے موسوی نہ ہو۔ جس قسم کی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ کوشش نہ ہو تو تمام حکمتِ عملی بے نتیجہ رہتی ہے۔

غزل نمبر ۲:

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہِ محبّت ، وہ نگہ کا تازیانہ

مطلع میں شاعر سوالیہ انداز سے اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا تجھے وہ زمانہ یاد نہیں جب پہلے پہل میرا دل تیرے عشق میں گرفتار ہوا تھا؟ تیری نگاہوں کے تازیانے مجھ پر پڑتے تھے اور میں بے قرار ہو جاتا تھا۔ شاعر ماضی کی یادوں میں کھو کر اس دور کی آرزؤں اور امنگوں کے بارے میں دریافت کرتا ہے جب اسے عشق کے نئے نئے سبق مل رہے تھے۔

یہ بتانِ عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ ، نہ تراشِ آزرانہ

اقبالؔ نوجوان نسل کی طرزِ فکر اور خیالات پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جدید مغربی افکار و خیالات کے نتیجے میں درس گاہوں میں ان نوجوانوں کو جس قسم کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ صرف اور صرف انہیں مادّیت پرستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ نوجوان باطنی حُسن اور روحانیت سے کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ آزر نے جس طرح ہنرمندی سے ظاہری طور پر تراش خراش کر کے بت تراشے، وہ ظاہری ہنر بھی ان نوجوانوں میں نظر نہیں آتا یعنی نہ تو ان کا ظاہر اچھا ہے اور نہ ہی باطن۔

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس نہ آشیانہ

دنیا کی یہ فضا بہت کشادہ ہے مگر اس زندگی میں مشکلات بھی بے حد ہیں۔ یہاں ایسا کوئی گوشہ نہیں جہاں سکون اور آرام سے رہا جا سکے۔ یہاں نہ تو کوئی مکمل پابند ہے اور نہ ہی مکمل طور پر آزاد، نہ تو قید کی سی بےفکری ہے اور نہ ہی آشیانے کا سکون اور راحت کا سامان، یعنی اس دنیا میں انسان کو ہر طرح کی راحت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ

اقبالؔ یہاں اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملّتِ اسلامیہ تیری نظرِ کرم کی طلب گار ہے تیری نظرِ کرم کی بارش پھر سے اس میں زندگی کی نئی روح پھونک دے گی جیسے انگور کی بیلوں میں بارش سے تازگی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور ان انگوروں سے ہی شراب تیار کی جاتی ہے بالکل اسی طرح عجم خصوصاً برصغیر کے شراب خانوں میں پہلی شراب باقی نہیں رہی یعنی آزادی کی خواہش اور امنگ ختم ہو چکی ہے لہٰذا جس طرح بارش نئی شراب کا سامان پیدا کرتی ہے بالکل اسی طرح تیری نظرِ کرم پھر سے ان کے جذبات کو جھنجھوڑنے کا سبب بنے گی۔

مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

شاعر کہتے ہیں کہ جس طرح بہار کی آمد پر پرندے چہچہاتے ہیں عشق و مستی میں ڈوب جاتے ہیں بالکل اسی طرح میرے ساتھیوں اور ہمنواؤں نے میری شاعری کو بہار کی آمد کا کرشمہ سمجھ کر گل و بلبل کی داستان سمجھ لیا۔ انہیں کیا معلوم کہ عشق و محبّت کے نغمے الاپنے کے لیے کس قدر جگر خون کرنا پڑتا ہے۔ ان اشعار میں ملّت کا جو درد پوشیدہ ہے یہ لوگ اس درد کو محسوس نہیں کر سکتے۔

مرے خاک وخوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے ، تب و تابِ جاودانہ

اقبال یہاں عظمتِ انسانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا! اس دنیا کی ساری رونقیں اور چہل پہل ان جانبازوں کے دم سے ہے جو تیری راہ میں شہید ہوئے گویا اس دنیا کی آبیاری ان شہدا کے خاک وخون سے ہوئی ہے۔ لیکن ہم یہ بھول گئے کہ ان شہیدوں کی اپنی جانیں کس مقصد کے تحت قربان کی تھیں؟ انہیں تو ہمیشہ سے صرف اس بات کی تڑپ اور بے قراری تھی کہ جس مقصد کے تحت انہوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں وہ مقصد حاصل ہو جائے۔ اقبالؔ یہاں قرآن اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں "ان شہیدوں کو مردہ نہ کہو"۔ کہا گیا ہے۔ کہتے ہی کہ وہ تمام شہدا آج ہماری بے راہ روی اور ملّتِ اسلامیہ کی بدترین حالت کو دیکھ کر بے چین اور بے قرار ہو رہے ہوں گے۔

تیری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا ، نہ شکایتِ زمانہ

شاعر یہاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ربِ کریم! تیرے لطف و کرم کی بدولت میری زندگی کے روز و شب گزر رہے ہیں۔ نہ تو مجھے دوستوں سے کوئی گلہ ہے اور نہ زمانے سے کوئی شکایت۔ تیرے لطف و کرم سے میں بالکل بے نیاز ہو چکا ہوں۔ اقبالؔ کا خیال ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ رب کائنات کی مرضی کے تابع ہے لہٰذا ملّتِ اسلامیہ کو جو بھی تکالیف اور پریشانیاں درپیش ہیں اسے امتحان سمجھ کر ان سے نکلنے کی تدبیر کی جائے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے تاکہ اس دنیا سے منافقت اور فسادِ خلق کا خطرہ کم سے کم ہو سکے۔

فیضؔ احمد فیضؔ

- فیضؔ کے عہد اور اس دور کے ادبی رجحانات کے بارے میں مختصراً طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- ترقی پسند تحریک کا پس منظر بیان کر کے ادب خصوصاً شاعری پر پڑنے والے اثرات کا مختصراً جائزہ پیش کیا جائے۔ اہم نکات طلبا کو نوٹ کروائے جائیں۔
- فیضؔ کی غزل گوئی کی انفرادیت کے حوالے سے اشعار کی مثالیں پیش کر کے اس پہلو پر روشنی ڈالی جائے۔
- ان کی غزلوں میں روحانیت اور انقلاب کا جو حسین امتزاج نظر آتا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ اس بارے میں بھی طلبا کو اہم نکات نوٹ کروائے جائیں۔
- فیضؔ کی غزلوں کے دھیمے پن اور تغزل کی مثالیں دے کر دوسرے ترقی پسند شعرا سے موازنہ کیا جائے۔
- فیضؔ نے جس طرح روایتی تراکیب اور علامتوں کو نئے معنی پہنائے۔ ان کی غزلوں سے مثالیں پیش کر کے طلبا کو ان کا مفہوم سمجھایا جائے۔
- فیضؔ کی غزل گوئی کی اہم ترین خصوصیات پر ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل فیضؔ کی غزلوں کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- بلند خوانی کے دوران شعر کی درست ادائیگی پر خصوصی توجہ دی جائے۔
- مشکل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھوائے جائیں۔

ہر شعر کا مرکزی خیال اور مفہوم نیچے درج کیا جا رہا ہے۔ اس کی مدد سے طلبا کو ہر شعر کی تشریح کروائی جائے۔

غزل نمبر ۱:

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

شاعر کے تصوّرات کی دنیا میں ہر وقت محبوب کا ہی بسیرا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی خوش قسمتی پر مسرور اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ ہر لمحے وہ اپنے محبوب کی یاد میں کھوئے رہتے ہیں۔ اوّلین موضوع سے ہٹ کر ان کی زندگی میں ہجر و فراق کی پریشانی کا نام و نشان تک نہیں۔

یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ شاعر کا محبوب ضروری نہیں کہ کوئی زہرہ جبیں ہی ہو بلکہ ان کا نظریہ اور ترقی پسندی بھی ان کے محبوب ہو سکتے ہیں۔

مشکل ہیں اگر حالات وہاں ، دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو! کوچۂ جاناں میں کیا ایسے بھی حالات نہیں

شاید یہاں لوگوں کو جدوجہد کی طرف راغب کرتے ہوئے تبدیلی کی خواہش مند نظر آتے ہیں۔ وہ بدترین حالات میں بھی مسلسل کوشش کا درس دے رہے ہیں اسی لیے کوچۂ جاناں جس سے مراد ان کا ملک بھی ہوسکتا ہے، جس کے حالات کو وہ سازگار بنانا چاہتے ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا ، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے ، اس جاں کی کوئی بات نہیں

فیضؔ کا یہ شعر انقلابی سوچ کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سچّے جذبات کا اظہار بھی ہے۔ ان کے خیال میں ظلم و جبر کے خاتمے کے لیے اپنے نظریے اور سوچ کے ساتھ مخلص ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ زندگی کی اہمیت نظریے سے بڑھ کر نہیں ہے۔

میدانِ وفا دربار نہیں ، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں ، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

فیضؔ یہاں عشق کے مفہوم کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس راہ پر قدم رکھنے والوں کے نزدیک نام و نسب اور ذات پات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر کسی چیز کی اہمیت ہے تو صرف سچّائی اور خلوص کی۔ نہ تو یہاں کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ ہی کوئی درجہ بندی جیسا کہ دربارِ خدائی میں ہوتا ہے لہٰذا اس راہ گزر پر چلنے والے سب برابر ہیں۔

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

ہر کھیل میں ہار جیت کا تصور ہوتا ہے لیکن عشق کی بازی ایک ایسی بازی ہے جہاں شکست بھی ایک

عجیب طرح کا مزہ دیتی ہے۔ یہاں شاعر کا عشق ان کا نظریہ ہے جس کے لیے وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار نظر آتے ہیں اس بات کی پروا کیے بغیر کہ آگے جا کر انہیں کامیابی ملے گی یا نہیں۔

غزل نمبر ۲ :

ستم کی رسمیں بہت تھیں لیکن ، نہ تھی تیری انجمن سے پہلے
سزا ، خطائے نظر سے پہلے ، عتاب جرمِ سُخن سے پہلے

ہر دور میں حق اور سچ بات کہنے پر اور انا الحق کا نعرہ بلند کرنے پر ظلم وستم کا بازار گرم کیا گیا۔ فیضؔ اس مطلع میں اسی نکتے کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ظلم وستم کا رویّہ اس وقت اختیار کیا گیا ہے یہ کوئی نیا نہیں بلکہ ہمیشہ سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ بے جرم سزا اور بغیر کوئی غلط بات کے پکڑ، اب ان حکمرانوں کا وطیرہ ہو گیا ہے، وہ کسی صورت سچ بات کو سننے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔

جو چل سکو تو چلو کہ راہِ وفا بہت مختصر ہوئی ہے
مقام ہے اب کوئی ، نہ منزل ، فرازِ دار و رسَن سے پہلے

وفا کی راہوں پر چلنے میں بہت مشکلات اور پریشانیاں ہوتی ہیں لیکن جو لوگ اپنے نظریے سے وفا کا رشتہ استوار کرتے ہیں۔ وہ منزل اور مقام کی جستجو کیے بغیر مستقل جد و جہد میں مصروف رہتے ہیں۔ معاشرے میں تبدیلی ان کا خواب ہے اور اس خواب کی تکمیل کے لیے اگر انہیں سولی پر بھی لٹکا دیا جائے تو بھی وہ ہمت نہیں ہارتے۔

نہیں رہی اب جُنوں کی زنجیر پر وہ پہلی اجارہ داری
گرفت کرتے ہیں کرنے والے خرد پہ دیوانہ پن سے پہلے

فیضؔ یہاں اس تبدیلی کی نوید سنا رہے ہیں جس میں اہلِ ہوس اور اقتدار کے نشے میں مست ہو کر اپنی مرضی چلانے اور ظلم وستم ڈھانے والوں کی اجارہ داری کا خاتمہ قریب ہے۔ یہاں آزادئ اظہار کی طرف اشارہ ہے جس پر طرح طرح سے قدغن لگائی جاتی رہتی ہے۔ سوچ اور خیالات پر پہرے بٹھائے گئے ہیں لیکن اب اہلِ جنوں دیوانگی کے عالم میں اپنی منزل کا تعین کر کے رہیں گے۔

کرے کوئی تیغ کا نظارا ، اب ان کو یہ بھی نہیں گوارا
بضد ہے قاتل کہ جانِ بسمل فگار ہو جسم و تن سے پہلے

شاعر یہاں ستم گر کے بد ترین مظالم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قاتل کو اب جان سے گزر جانے کی خواہش بھی گوارا نہیں۔ وہ ستم بالائے ستم کرتے ہوئے جان نکالنے سے پہلے کہ زخم پہ زخم لگانا چاہتا ہے تا کہ ظلم کا پورا پورا حق ادا ہو جائے۔ اب وہ تلوار دکھا کر خوفزدہ کرتا ہے اور نہ ہی ظلم کے نشان چھوڑتا ہے لیکن وہ یہ بھول چکا ہے کہ تحریک سے وابستہ لوگ وفا کی راہوں پر چلتے ہوئے اپنی جان فنا کر دیں گے لیکن اس کے ظلم سے نہیں ڈریں گے۔

غرورِ سرو سمن سے کہہ دو کہ پھر وہی تاجدار ہوں گے
جو خار و خس والیٔ چمن تھے عروجِ سرو سمن سے پہلے

فیضؔ یہاں استعاروں سے کالم لے کر حکمرانوں اور ان قوتوں کو للکار رہے ہیں جو غرور و تکبّر میں مبتلا ہو کر عوام کو اپنا غلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب انھیں دیوانوں کے سر پر تاج سجائیں گے۔ اقتدار عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گا اور وہ ان آمروں سے حساب لیں گے۔

اِدھر تقاضے ہیں مصلحت کے ، اُدھر تقاضائے دردِ دل ہے
زباں سنبھالیں کہ دل سنبھالیں ، اسیر ذکرِ وطن سے پہلے

قید خانے میں قید اہلِ وطن عجیب و غریب کیفیت سے دوچار ہیں۔ ایک طرف تو دل کی پکار یہ تقاضہ کر رہی ہے کہ سچّائی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے حق کی راہ پر اپنی جان قربان کر دی جائے جبکہ دوسری جانب مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ خاموشی اختیار کر کے حالات سے سمجھوتہ کر لیا جائے لیکن وطن کی محبّت کی خاطر مصلحت کی تمام دیواروں کو گرانا ضروری ہے تا کہ تبدیلی کے آثار پیدا ہو سکیں گے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ناصؔر کاظمی

- ناصؔر کاظمی کے عہد اور اس زمانے میں اُردو غزل کے رجحانات کے حوالے سے طلبا کو مختصراً معلومات فراہم کی جائیں۔
- اس زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات کے بارے میں مختصراً بتایا جائے۔
- ناصؔر کاظمی کی زندگی کے حالات اور ان کی شاعری پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- ناصؔر نے اپنی غزلوں میں جس طرح تنہائی کے شدید احساس کی ترجمانی کی ہے ۔ اشعار کی مثالیں دے کر اس کی وضاحت کی جائے اس حوالے سے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ناصؔر کی ماضی پرستی کے بارے میں مختصراً طلبا کو آگاہ کر کے اس کے اہم نکات بھی لکھوائے جائیں۔
- غم و الم اور مایوسی کی کیفیت کا اظہار ناصؔر کی منفرد خصوصیات میں سے ہے۔ اس بارے میں جائزہ لے کر میر تقی میؔر کی شاعری سے اس کا موازنہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- ناصؔر کی چھوٹی بحروں کی غزلوں میں جو دھیما پن اور سادہ اسلوب ہے اس کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- ظلم اور ناانصافی کے خلاف ناصؔر کے کلام میں احتجاج کے بجائے ایک مایوسی اور محرومی کی کیفیت ہے اس کی وجوہات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- ناصؔر کی شاعری کی نمایاں خصوصیات پر ایک مختصر اور جامع نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل ناصؔر کاظمی کے غزل کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- بلند خوانی کرواتے وقت طلبا کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تلفّظ ادائیگی اور شعریت سے واقف کروایا جائے۔
- غزل میں موجود تمام مشکل الفاظ کے معنی لکھوائے جائیں۔
- ہر شعر کا مرکزی خیال نیچے درج کیا جا رہا ہے۔ طلبا کو ان اشعار کا مفہوم سمجھانے کے لیے اس سے مدد لی جائے۔
- طلبا سے ہر شعر کی الگ الگ تشریح کروائی جائے۔

غزل نمبر ۱:

دل میں اِک لہر سی اُٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

غزل کے اس مطلع میں شاعر تازہ ہوا کی لہر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نئی امنگ، امید اور آرزوؤں کے طوفان کا ذکر کر رہے ہیں جس کی وجہ سے پھر سے دل میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو رہا ہے۔

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

شاعر غم و الم کی انتہائی کیفیت میں ڈوب کر اپنی تباہی و بربادی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہی کہ لگتا ہے پھر ہماری آرزوؤں کا خون ہونے والا ہے کیونکہ دل کی گھبراہٹ یہ قصّہ سنا رہی ہے کہ تمام خواہشات نا تمام رہ جائیں اور یہ دل ٹوٹ کر جینے کی امنگ ہی چھوڑ دے۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

شاعر اس دنیا کی رنگینیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہر طرح کے نغموں اور خوشبوؤں سے معمور ہے اس کے باوجود کسی طور پر ہمارا یہاں دل نہیں لگتا۔ غم و الم نے ہمارے ذہن و دل اور جذبات پر ایسی مردنی اور پژمردگی پیدا کر دی ہے کہ ہم اس دنیا کی گہما گہمی سے لاتعلق سے ہو گئے ہیں۔

تو شریکِ سُخن ہے تو کیا غم ہے
ہم سُخن تیری خامشی ہے ابھی

اس شعر میں شاعر محبوب کی خامشی کو اپنا ہم راز اور ہم سُخن قرار دے رہے ہیں وہ کہتے ہی کہ محبوب نے اگرچہ ان سے ہم کلام ہونا چھوڑ دیا ہے، سماجی جبر اور مجبوری اس کی راہ میں رکاوٹ بن چکی ہے لیکن شاعر محبوب کی اس خاموشی میں بھی اپنے لیے معانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

شاعر اپنے عشق کی یادوں میں کھو کر ماضی کے ان حسین لمحات کو یاد کر رہے ہیں جب وہ وصل کی لذّت سے آشنا تھے۔ انہیں ماضی کی ان بھولی بسری یادوں میں آج بھی اپنے محبوب کی آواز کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وہ اپنی محرومیِ عشق کو نہایت سادہ انداز میں بیان کرتے ہوئے محبوب کی بے رُخی اور بے وفائی کے باوجود اس سے ربط و تعلق کو بھی توڑنا نہیں چاہتے۔

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

شاعر امید اور آس کا دیا جلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہر کی گلیاں اگر اداسی ، تاریکی اور سنّاٹے میں ڈوبی ہوئی ہیں تو کیا ہوا وہ ان تاریک گلیوں میں بھی اپنے محبوب کی تلاش جاری رکھیں گے۔ وہ ہمیشہ اپنے محبوب کے متلاشی رہیں گے۔ انہیں امید ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ محبوب کے وصل کو حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ تلاش ہی دراصل ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ ان کی امید اور اس کا محور ہے۔

سو گئے لوگ اُس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کُھلی ہے ابھی

شاعر محبوب کے فراق میں راتیں جاگ کر گزارتے ہیں۔ اسی اضطرابی کیفیت میں رات کی تاریکی میں جب وہ محبوب کی گلی میں پہنچتے ہیں تو انہیں سب لوگ سوئے نظر آتے ہیں لیکن ایک کھڑکی انہیں کھلی نظر آتی ہے جو اس بات کا اظہار ہے کہ ان کا محبوب بھی محبّت کی آگ میں مضطرب انہیں کی طرح راتیں جاگ جاگ کر گزار رہا ہے۔

تم تو یارو ابھی سے اُٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

عشق اور محبّت کی شاہراہ پر چلنے والوں کی زندگی ہمیشہ کانٹوں پر بسر ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے

نیند غائب ہوجاتی ہے۔ وہ اضطرابی کیفیت میں یونہی راتیں جاگ کر گزارتے ہیں۔ اسی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے شاعر اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ابھی تو اُجالے کا نام و نشاں بھی نہیں ہے بلکہ رات کے آثار باقی ہیں لہٰذا سلسلۂ گفتگو اور زخمِ اُلفت کا بیان ختم کر کے کہاں اُٹھ کے جانے کی تیاری ہے۔

وقت اچّھا بھی آئے گا ناصؔر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

مقطع میں شاعر ایک بار پھر امید اور آس کا اظہار کرتے ہوئے مشکلات اور مایوسی کے خاتمے کی نوید دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ضرور آتی ہے۔ لہٰذا مایوس کن حالات میں بھی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور اگر آج حالات سازگار نہیں تو کیا ہوا یہ غم کے بادل چھٹ جائیں گے اور فرصت کے لمحات ضرور آئیں گے۔ اس کے لیے بھی پوری زندگی پڑی ہے اس لیے مایوسی کی کیفیت سے باہر نکلو اور امید کا دیا روشن کرو۔

غزل نمبر ۲ :

کچھ یادگارِ شہرِ ستم گر ہی لے چلیں
آئے ہیں اس گلی میں تو پتّھر ہی لے چلیں

محبوب کی ستمگری اور ستم ظریفی کا رونا روتے ہوئے شاعر کہتے ہیں کہ ان کا سنگدل محبوب ہر لمحے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتا رہتا ہے۔ اس کے عشق میں سوائے رسوائی اور قسمت کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا لیکن جب اس راہ یا گلی میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو کچھ نہ کچھ نشانی ضرور یہاں سے لے کر جانا ہے۔ چاہے یہ نشانی اس گلی کا پتّھر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ پتّھر ایک یادگار کے طور پر محبوب کی یاد دلاتا رہے گا۔

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں

زندگی میں اتنے دکھ، مصائب اور پریشانیاں جہاں ہیں کہ اسے گزارنا خاصا کٹھن ہو گیا ہے۔ جسے محبوب کی بے وفائی نے اور مشکل بنا دیا ہے۔ وہ زندگی کی اس مشکل گھڑی میں ساتھ نبھانے کو تیار

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

نظر نہیں آتا لہٰذا اس خیال اور تصوّر ہی کو کچھ اس طرح سے اپنی زندگی میں شامل کر لیا جائے کہ ان تکالیف کی شدّت میں کمی آ سکے۔

رنجِ سفر کی کوئی نشانی تو پاس ہو
تھوڑی سی خاکِ کوچۂ دلبر ہی لے چلیں

محبوب کی ذات سے وابستہ ہر شے شاعر کو عزیز ہے چاہے ان کا محبوب بے اعتنائی ہی کیوں نہ برت رہا ہو اسی لئے وہ اس غم و الم کی کیفیت میں محبوب کی کبھی کوئی نہ کوئی نشانی اپنے پاس ضرور رکھنا چاہتے ہیں اسی لیے اس کی گلی کی مٹّی کو وہ دنیا جہاں کی دولت سے برتر قرار دے کر اسے سینے سے لگانے کو تیار نظر آتے ہیں۔

یہ کہہ کر چھیڑتی ہے ہمیں دل گرفتگی
گھبرا گئے ہیں آپ تو باہر ہی لے چلیں

دل کی پریشانی شاعر کو بے چین کیے دیتی ہے اسی لیے اس بے چینی اور بے قراری کو سہنا ان کے لیے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اپنے مجبور دل کا المیہ بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اب تو ہمارا دل بھی ہمیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ محبوب کے ستم کی وجہ سے ہر لمحہ ہمارا دل ، دل گرفتہ رہتا ہے اور کہیں دور چلنے کی تلقین کرتا ہے۔

اس شہرِ بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
آ اے شبِ فراق! تجھے گھر ہی لے چلیں

شاعر اپنے محبوب سے دوری کے کرب کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب تو شب فراق ہی ہماری ہمدم اور غم خوار ہے جو ہر لمحے ہمارے ساتھ ہے لہٰذا اے ہجر کی رات اس اندھیرے شہر میں تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ لہٰذا میرا دل ہی وہ معقول جگہ ہے جہاں تو اپنا مسکن بنا سکتا ہے۔

مضامین

کسی مخصوص موضوع پر اپنے جذبات و خیالات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ اس کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ زندگی کے ہر مسئلے پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ اسلوب کی جو لچک اس صنف میں پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے دورِ جدید میں اس نے بڑی تیزی سے ترقی کی ہے۔ مضمون نویسی کے جو طریقے رائج ہیں ان میں سب سے پہلے کسی مسئلے کو زیر بحث لایا جاتا ہے پھر اس کی موافقت یا مخالفت میں دلائل دیے جاتے ہیں اور آخر میں نتائج سے بحث کی جاتی ہے۔ مضمون میں نظم و ضبط ، ربط اور تناسب بے حد ضروری ہے تاکہ گہرا تاثر قائم کیا جاسکے۔

مضمون نویسی میں اسلوب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسلوب سے ہی ہم موضوع کو سنجیدہ اور غیر سنجیدہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ موضوع کو بیان کرتے ہوئے جس قدر سادہ اور سلیس زبان استعمال کی جائے گی تاثر اسی قدر گہرا ہوگا۔ بعض اوقات مضمون نگار تشبیہات و استعارات ، محاورات اور دیگر خصوصیات سے اپنے مضمون کو دلکشی اور رعنائی عطا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ احادیث ، اقوال ، اشعار اور کہاوتیں موضوع کی معنویت کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مضامین تحریر کرتے ہوئے ہمیں زبان و بیان کے استعمال میں احتیاط برتنی چاہیے۔ کسی تحقیقی اور علمی موضوع پر لکھے گئے مضامین کی زبان ، ادبی زبان سے یکسر مختلف ہوگی۔

اُردو میں مضمون نویسی کا باقاعدہ آغاز سر سیّد احمد خان سے ہوا۔ انھوں نے مذہبی ، سیاسی ، علمی ، معاشرتی ، تاریخی اور فلسفیانہ موضوعات پر بکثرت مضامین لکھے۔ ان کے رسالے تہذیب و اخلاق نے اس صنف کی ترویج اور ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ نصاب میں شامل مضامین میں آزاد کا مضمون تمثیلی انداز لیے ہوئے ہے جبکہ دیگر مضامین طنز و مزاح کی خوبیاں لیے ہوئے ہیں۔ تمثیلی مضامین سے مراد انسان کے وہ افعال و اعمال جوائے عقلی ، حواس اور اخلاق وغیرہ کو کرداری شکل میں دیو ، فرشتہ ، انسان ، محبّت ، نفرت ، رقابت ، حسد ، غیبت ، ہمدردی ، دوستی اور دشمنی وغیرہ کے روپ میں پیش کرنا ہے۔ یہ استعارے کی طرح ہے لیکن اس میں تفصیل زیادہ ہوتی ہے ۔ عام طور پر ایسے مضامین میں شگفتگی کے عنصر کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں کسی پسندیدہ صفت سے رغبت اور کسی ناپسندیدہ فعل سے نفرت پیدا ہوجائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

مضامین کی دوسری قسم جو نصاب میں شامل ہے وہ طنز و مزاح ہے۔ عام طور پر ''طنز'' اور ''مزاح'' کے الفاظ کو ملا کر بطور مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے۔ مزاح کے عقلی معنی ہنسی مذاق کے ہیں جبکہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ چھاڑ کے ہیں۔ طنز کے ذریعے معاشرے کی ناہمواریوں اور خرابیوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جبکہ مزاح ہلکی پھلکی پھلجھڑیاں ہیں جس میں تہذیب و شائستگی کے ساتھ ساتھ شگفتگی کا بھی ضرور خیال رکھا جاتا ہے۔

انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا (مولانا محمد حسین آزادؔ)

- نصاب کے اس حصے کی تدریس کے آغاز سے قبل ضروری ہے کہ طلبا کو مضمون نویسی کے بنیادی نکات کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔
- مضمون نویسی کے اقسام اور موضوعات کی وضاحت کی جائے۔
- نصاب میں شامل ''تمثیل اور طنز و مزاح'' دونوں اقسام کے مضامین کا فرق بتاتے ہوئے ان مضامین کے اسلوب اور طرزِ تحریر کی خوبیوں کی نشاندہی کی جائے۔
- مضمون کی بلندخوانی سے قبل مولانا آزادؔ کے مضمون ''انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا'' کے موضوع کی مختصر وضاحت کی جائے۔
- مضمون کی بلندخوانی سے قبل مولانا آزادؔ کی شخصیت اور فن کے حوالے سے طلبا کو معلومات فراہم کی جائیں۔
- آزادؔ کے خاندانی پس منظر اور زندگی کے مختلف ادوار کے بارے میں بتایا جائے۔
- اس زمانے کی تہذیب و ثقافت اور سیاسی حالات کا تجزیہ کیا جائے۔
- مولانا آزادؔ کی تصانیف کے بارے میں تفصیلات فراہم کی جائیں اور اہم ترین تصانیف کے موضوعات کے بارے میں مختصراً گفتگو کی جائے۔
- اس عہد کے دیگر نثر نگاروں کے بارے میں بھی بتایا جائے تاکہ طلبا مولانا آزادؔ کی طرزِ تحریر کا دیگر ہم عصر نثر نگاروں سے موازنہ کر سکیں۔
- درسی کتب اور شاعری کے حوالے سے ان کی خدمات کا ذکر کیا جائے۔
- ان کی شگفتہ بیانی اور اسلوب کی انفرادیت پر تفصیل سے بحث کی جائے۔ ساتھ ساتھ سادہ ،

سلیس اور مسجّع اور مقفّع نثر کے فرق کی وضاحت کی جائے۔

- مولانا آزاد کے بارے میں مناسب حد تک معلومات فراہم کرنے کے بعد نصاب میں شامل مضمون کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- مضمون کے اہم حصوں کو خود پڑھ کر سنایا جائے تا کہ اس کا تاثر قائم رہ سکے۔
- بلند خوانی کے دوران مشکل الفاظ اور اس کے آسان ترین معانی کی فہرست بنوائی جائے۔
- بلند خوانی کے بعد طلبا سے اس مضمون کے بارے میں سوالات پوچھے جائیں۔
- مضمون کے مختلف نکات اور موضوعات کے بارے میں طلبا کے ذہن میں موجود سوالات کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔
- تمثیلی انداز میں جن انسانی افعال و اعمال کو کرداری شکل دی گئی ہے اس کی وضاحت کی جائے۔
- انسانی نفسیات اور فطرت کی سب سے بڑی خامی ''ناشکرا پن'' ہے۔ اس حوالے سے مضمون میں موجود مختلف حوالے تلاش کر کے اسے اپنے الفاظ میں لکھنے کے لیے کہا جائے۔
- انسان کے ذہن و دل میں وہم کس طرح سے منفی جذبات اور خیالات کو اُجاگر کرتا ہے۔ مضمون کے حوالے سے اس کی نشاندہی کی جائے۔
- صبر و تحمل اور قناعت کی دولت حاصل کر کے انسان کیا نتائج حاصل کرتا ہے۔ ان خوبیوں کو مثبت انداز سے زندگی میں اختیار کرنے کے نتائج پر گفتگو کر کے اس حوالے سے ایک مضمون لکھوائیے۔
- انسان اپنے غم اور اپنی تکلیف کو ہی دنیا کی سب سے بڑی تکلیف سمجھ بیٹھتا ہے اس حوالے سے مضمون میں موجود مختلف کرداروں کے بارے میں نوٹ لکھوائیے۔
- انسان کی بے وقوفی اور بد اطواری کے بارے میں مصنف کے طنزیہ انداز کی وضاحت کر کے مضمون میں موجود تمام طنزیہ نکات کے بارے میں مضمون لکھوایا جائے۔
- مضمون میں موجود یقین کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی اہمیت کے بارے میں بتایا جائے۔
- مضمون کے کچھ حصوں کو منتخب کر کے تفہیم کروائی جائے۔
- تحریری صلاحیت بڑھانے کے لیے پورے مضمون کا خلاصہ آسان الفاظ میں طلبا سے لکھوایا جائے۔

- مضمون کے اختتام پر جو سبق ہمیں ملتا ہے اس پر روشنی ڈالی جائے۔ اس بارے میں ایک مختصر نوٹ بھی لکھوایا جائے۔
- تنقیدی نوٹ لکھوا کر اس کے اہم نکات کو ذہن نشین کرنے کی ہدایت کی جائے۔
- امتحانی نقطۂ نظر سے متوقع سوالات کی نشاندہی کی جائے اور جواب لکھنے کی مشق کروائی جائے۔

مردہ بدست زندہ (مرزا فرحت اللہ بیگ)

- طنز اور مزاح کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے طلبا کو اس کے صحیح مفہوم کی طرف توجہ دلایئے۔
- اس قسم کے مضامین کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ معاشرے پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اس بارے میں مختصراً اظہار خیال کیجیے۔
- مرزا فرحت اللہ بیگ کے ادبی مقام اور مرتبے کے بارے میں طلبا کو معلومات فراہم کی جائے۔
- نئی اور پرانی تہذیب کے ٹکر کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہوئی اور اس کا اثر مرزا کی تحریروں پر کس طرح پڑا۔ اس بارے میں مجموعی جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- خاکہ نگاری کے حوالے سے مرزا فرحت کی انفرادیت کے بارے میں معلومات فراہم کی جائے۔
- ان کے ناقابلِ فراموش مضامین مثلاً دہلی کا یادگار مشاعرہ، آخری وصیت، پھول والوں کی سیر، نئی پرانی تہذیب کی ٹکر، دادا جان کا پارلیمنٹ میں جانا، نذیر احمد کی کہانی کچھ اُن کی کچھ میری زبانی اور مردہ بدست زندہ وغیرہ کے بارے میں مختصراً معلومات فراہم کی جائے تاکہ طلبا کے دیگر ادبی کارناموں کے بارے میں جان سکیں۔
- دہلی کی ٹکسالی زبان اور طرزِ تحریر کی خوبیوں کی مثالیں دے کر ان کے اسلوب کی انفرادیت پر ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- مضمون ''مردہ بدست زندہ'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- اس کے اہم ترین حصوں کو خود پڑھ کر اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا جائے۔
- مشکل الفاظ اور معانی لکھوا کر بعض الفاظ و تراکیب کے جملے بنوائے جائیں۔
- مضمون میں جس اہم سماجی رویے کو اُجاگر کیا گیا ہے اس کے بارے میں تفصیلات فراہم کی جائے۔

- اساتذہ اس مضمون کے مرکزی خیال کے بارے میں طلبا سے تبادلۂ خیال کریں۔
- مضمون میں انسانی رویوں اور عیوب پر مصنف نے جس طرح طنز کے تیر برسائے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور موجودہ عہد میں اس حوالے سے کیا صورت حال ہے اس کا موازنہ کرکے ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- قبرستان کی حالت بیان کرتے ہوئے موجودہ زمانے میں قبرستان میں جو کچھ ہوتا ہے ، اس مضمون کی روشنی میں ماضی اور حال کا موازنہ کروایا جائے۔
- دنیا داری ، بےحسی ، ظاہر داری اور اخلاص کی کمی کے حوالے سے جو باتیں اس مضمون میں موجود ہیں اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- جنازے میں شرکت اور تعزیت کا جو انداز اس مضمون میں بیان کیا گیا اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر طلبا سے اس بارے میں رائے لکھوائی جائے۔
- مضمون کے خاص اور دلچسپ حصوں کی تفہیم کروائی جائے۔
- اہم نکات کی روشنی میں مضمون کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- اس مضمون کو جن مقاصد کے تحت لکھا گیا ان مقاصد کی نشاندہی کرکے سماجی اصلاح کے حوالے سے اس کی اہمیت پر ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- تمام مقاصد کو ترتیب سے لکھا جائے۔ اس سلسلے میں بچوں سے وقتاً فوقتاً رائے لی جائے۔
- مضمون میں موجود معاشرتی ناہمواری کی مثالیں طلبا کے سامنے پیش کی جائیں۔
- پورے مضمون کا مجموعی جائزہ لے کر طلبا کو امتحانی نقطۂ نظر سے سوالات کی مشق کروائی جائے۔
- کوشش کی جائے کہ طلبا خود مختلف سوالات کے جوابات تحریر کریں تاکہ اُن میں خود انحصاری پیدا ہو۔ جوابات لکھنے میں جہاں طلبا کو مشکلات پیش آئیں وہاں ان کی رہنمائی کی جائے۔
- تحریری صلاحیت اُبھارنے کے لیے نصاب میں شامل کسی دوسرے مضمون سے موازنہ کروایا جائے۔

مرحوم کی یاد میں (پطرس بخاری)

- پطرس بخاری کے ادبی مقام و مرتبے کے بارے میں مختصراً طلبا کو بتایا جائے۔
- پطرس کے حالاتِ زندگی اور کارناموں سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔

- اُن کے اسلوب اور موضوعات کی خوبیوں پر گفتگو کرتے ہوئے مختلف مضامین سے مثالیں پیش کی جائیں تاکہ طلبا اُن کے اسلوب کی انفرادیت اور جدت کو محسوس کر سکیں۔
- اُردو طنز و مزاح کی تاریخ میں مضامین پطرس کی کیا اہمیت ہے۔ اس کی نشاندہی کی جائے۔ مختلف مضامین کے موضوعات کس قسم کے ہیں۔ اس کی تفصیلات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دلچسپ حصوں کی بلند خوانی بھی کی جائے تاکہ طلبا کے دل میں مطالعے کی دلچسپی پیدا ہو۔
- نصاب میں شامل پطرس کے مضمون کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- دلچسپ حصوں کی بلند خوانی اساتذہ خود کریں اور اس کے تفہیمی سوالات بنا کر طلبا سے جوابات لکھوائے جائیں۔
- الفاظ اور معانی کی فہرست کے ساتھ ساتھ کچھ فقروں اور تراکیب کے جملے بنوائے جائیں۔
- بلند خوانی کے بعد مضمون کے موضوع اور مختلف نکات کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔
- مضمون کا مرکزی خیال طلبا سے لکھوایا جائے۔
- اس مضمون میں ایک معمولی واقعے کو پطرس نے جس طرح ہلکے پھلکے انداز سے مزاحیہ رنگ دیا ہے اس کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ طلبا سے اس مضمون کے مقاصد پر تبادلۂ خیال کیا جائے۔
- جس مقصد کے تحت یہ مضمون لکھا گیا ہے اس کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- ایک مزاحیہ کہانی ہونے کے ساتھ ساتھ کس طرح یہ آپ بیتی کا روپ دھار لیتی ہے اس حوالے سے طلبا کی رائے پوچھی جائے۔
- اس مضمون کے دونوں اہم کرداروں یعنی مرزا صاحب اور خود مصنف کے بارے میں الگ الگ مضمون لکھوایا جائے۔ طلبا مضمون کا مطالعہ کر کے خود ہی ان کرداروں کے بارے میں لکھنے کی کوشش کریں لیکن اساتذہ محسوس کریں تو طلبا کی مناسب مدد اور رہنمائی کی جا سکتی ہے۔
- مرزا جیسے کرداروں کی لاپروائی اور خود غرضی سے دوسروں کو کس قسم کا نقصان سہنا پڑتا ہے۔ اس بارے میں طلبا سے رائے لی جائے۔
- مرزا کی بائیسکل کا نقشہ کھینچتے ہوئے اسے طلبا سے اپنے الفاظ میں لکھوایا جائے۔
- دوستی کے نام پر فائدہ اُٹھانے کا رجحان جس طرح ماضی میں تھا آج بھی موجود ہے۔ اس حوالے سے ماضی اور حال کے انسانی رویوں کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

- اس مضمون کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- بائیسکل سے نکلنے والی مختلف آوازوں کے ذریعے جس قسم کا مزاح پیدا کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- کسی پرانی کار کے بارے میں طلبا سے اس طرح کا مضمون لکھنے کی مشق کروائی جائے تاکہ تحریری اور تخلیقی صلاحیت پیدا ہوسکے۔
- مضمون میں زبان و بیان کی خوبیوں اور منفرد اسلوب کے بارے میں بتا کر پطرس کے اسلوب پر ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- امتحانی نقطۂ نظر سے سوالات بتائے جائیں اور ان کے جوابات کی مشق کروائی جائے۔
- مضمون کا نام ''مرحوم کی یاد میں'' رکھنے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے ،طلبا سے تبادلۂ خیال کیا جائے۔
- بغیر دیکھے پرانی اشیا خریدنے کے کیا نتائج ہوسکتے ہیں اور اس مضمون سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے اس بارے میں طلبا سے تبادلۂ خیال کیا جائے۔ ساتھ ہی اس موضوع پر ایک مضمون لکھوانے کی مشق کروائی جائے۔

تکیہ کلام (شفیق الرحمٰن)

- شفیق الرحمٰن کے فن اور شخصیت کے بارے میں طلبا کو مختصراً بتایا جائے۔
- ان کے تحریروں کی خصوصیات اور اسلوب بیان کی خوبیوں کے حوالے سے مثالیں دی جائیں۔
- اپنے مضامین میں مزاح پیدا کرنے کے لیے وہ کون سے طریقے اختیار کرتے تھے، اس کی تفصیلات بیان کی جائیں۔
- مضمون ''تکیہ کلام'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔ الفاظ اور معانی لکھوائے جائیں۔ یہ مضمون چونکہ ناشر کی جانب سے اجازت نہ ملنے کے باعث کتاب میں شامل نہیں کیا جا سکا ہے لہٰذا شفیق الرحمٰن کی کتاب سے مدد لی جائے۔
- اس ہلکے پھلکے مزاحیہ انشائیہ کی خوبیوں کے بارے میں طلبا کی معلومات کا جائزہ لیا جائے۔
- تکیہ کلام کا مطلب اور مفہوم سمجھا کر مضمون میں موجود تکیہ کلام کے علاوہ اور کس طرح کے تکیہ کلام ہوسکتے ہیں۔ اس کی فہرست بنوائی جائے۔

- تکیہ کلام سے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ لوگ کس طرح بیزاری محسوس کرتے ہیں اس کی نشاندہی کی جائے۔مضمون سے مثالیں بھی دی جائیں۔
- تکیہ کلام کے مضحک پہلوؤں کے بارے میں گفتگو کی جائے اور مشق سے مثالیں دی جائیں۔
- مخصوص الفاظ دہرانے اور بار بار کے استعمال سے سننے والوں پر کیا کیفیت طاری ہوتی ہے اس بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- اس انشائیہ کے پس پردہ آپ کے اِرد گرد اگر لوگ اس طرح کے مسائل کا شکار ہیں تو طلبا ان کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں۔ تبادلۂ خیال کرکے اس کیفیت کو مضمون کی شکل دی جائے۔
- مصنف نے تکیہ کلام کے ذریعے جس طرح اس مضمون میں مزاح پیدا کیا ہے اس کی نشاندہی کرنے کے علاوہ ہر کردار کے تکیہ کلام سے پیدا ہونے والے مزاح پر مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- تکیہ کلام کو کس طرح مفید قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے فوائد کے بارے میں طلبا سے رائے لی جائے۔
- بارعب اور قابل ذکر شخصیت کی گفتگو میں اگر کوئی تکیہ کلام ہو تو اس کی شخصیت پر پڑنے والے منفی اثرات پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- تکیہ کلام کا مجموعی جائزہ لے کر اس کے موضوع اور طرز تحریر پر تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- امتحانی نقطۂ نظر سے سوالات دے کر طلبا سے ان کے جوابات لکھوائے جائیں۔
- جوابات لکھتے ہوئے جہاں ضروری ہو طلبا کی مدد کی جائے لیکن کوشش یہی ہو کر طلبا خود اپنے الفاظ میں جواب لکھیں۔
- شفیق الرحمٰن کی اس تحریر کا، نصاب میں شامل کسی دوسرے مزاحیہ مضمون سے موازنہ کروایا جائے۔
- اس مضمون کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- مضمون لکھنے کے مقاصد پر روشنی ڈال کر سماجی اور نفسیاتی حوالے سے اس مضمون کی انفرادیت پر تبادلۂ خیال کیا جائے۔
- مضمون کے بعض دلچسپ حصوں کو منتخب کرکے تفہیمی سوالات دیے جائیں جس کا جواب طلبا اپنے الفاظ میں لکھیں۔

سفرنامے

سفرنامہ ایک طرح کی روداد یا ”رپورتاژ“ ہے۔ یہ ایک بیانیہ صنف سخن ہے۔ سفرنامے کی عمدگی اور

دلچسپی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک واقعات کو پیش کرتے ہوئے مشاہدے کی گہرائی اور دوسرا انداز بیان میں تازگی اور شگفتگی۔ سفرنامہ نگار اپنے سفر کی روداد میں ہمیں کبھی ماضی کی سیر کراتے ہیں اور کبھی دورِ جدید کی فیوض و برکات سے روشناس کراتے ہیں۔ وہ کسی ملک کے شہروں ، دیہاتوں ، وادیوں، پہاڑوں اور سرسبز و شاداب لہلہاتے کھیتوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ملک کی تہذیب و ثقافت ، زبان ، لباس ، رہن سہن اور رسوم و رواج کی جھلک بھی دکھاتے ہیں۔

ایک اچھے سفرنامے میں مصنف خارجی مظاہر کے ساتھ ساتھ داخلی اور قلبی کیفیات سے ضرور کام لیتا ہے کیونکہ اپنے جذبات و احساسات کا متاثر کن بیان سفرنامے کو نئی معنویت عطا کرتا ہے۔ سفرنامے میں اسلوب بیان کی دلکشی قاری کو اپنی گرفت میں لیے رکھتی ہے۔ کسی سفرنامے کی سب سے بڑی خوبی ہی یہ ہوگی کہ قاری یہ سوچنے پر مجبور ہوجائے اور اس خواہش کا اظہار کرے کہ '' کاش یہ مناظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتا۔'' غرض کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سفرنامہ چشم دید حالات و واقعات کا ایسا بیان ہے جس میں قوت مشاہدہ کا استعمال بڑی فنکاری سے کیا گیا ہو اور اس علاقے کی جغرافیائی اور تاریخی پس منظر سے قاری مکمل واقفیت حاصل کرے۔

اُردو کے قدیم سفرناموں میں یوسف خان کمبل پوش کی ''عجائباتِ فرنگ'' خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ سرسیّد کی ''مسافرانِ لندن''، ''مولوی آزاد کی سیر ایران''، شبلی نعمانی کی ''سفرنامہ روم و مصر و شام'' وغیرہ بے حد مقبول سفرنامے ہیں۔ بعد میں ''ساحل اور سمندر''، ''اشتراکی چین''، ''سیر افغانستان''، اور ''سات سمندر پار'' وغیرہ جیسے سفرناموں نے بھی خاصی شہرت حاصل کی۔ دورِ جدید میں ممتاز مفتی کا ''لبیک'' ابن انشا کے سفرنامے ''چلتے ہو تو چین کو چلیے''، ''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں'' اور ''دنیا گول ہے'' وغیرہ جیسے سفرنامے ان کے منفرد اسلوب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان دنوں مستنصر حسین تارڑ اور قمر علی عباسی بڑے عمدہ سفرنامے لکھ رہے ہیں اور اس صنف میں انھیں بلند مقام حاصل ہے۔

- سفرنامے کی تکنیک اور اس کی اہمیت کا ایک مختصر جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- اُردو کے اہم سفرناموں کے بارے میں مختصراً معلومات فراہم کی جائے تاکہ اگر کسی طالب علم کو اس صنف سے دلچسپی ہو تو وہ ان سفرناموں کا مطالعہ کر سکیں۔

- موجودہ عہد کے مشہور سفر نامہ نگاروں کا مختصراً تعارف پیش کیا جائے۔

کچھ قصہ دال چپاتی کا (ابنِ انشا)

- طلبا سے ابن انشا کے متعلق سوالات کیے جائیں۔
- ابنؔ انشا کی حیات اور کارناموں کا مختصر جائزہ لیا جائے۔
- مصنف کے بارے میں اہم نکات طلبا کو نوٹ کروائے جائیں۔
- ان کی کالم نویسی کی تفصیلات سے آ گاہ کیا جائے۔
- فکاہیہ ادب میں ابن انشا کے مقام اور مرتبے کا تعین کرتے ہوئے مختلف کتب سے مثالیں پیش کی جائیں۔
- ان کے اسلوب کی انفرادیت اور دوسرے مزاح نگاروں سے موازنہ کیا جائے۔
- ''کچھ قصہ دال چپاتی کا'' کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- مشکل الفاظ معانی لکھوا کر کچھ فقرے اور تراکیب کے جملے بنوائے جائیں۔
- اس مضمون کے ماخذ ''آوارہ گرد کی ڈائری'' کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔
- اس کتاب کو لکھنے اسباب اور محرکات کے بارے میں بتایا جائے۔
- نصاب میں شامل سبق کا مطالعہ کرکے طلبا کو انگلستان کے بارے میں جس قسم کی معلومات حاصل ہوئیں، ان کے بارے میں ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- مصنف نے پاکستان میں موجود سماجی اور اخلاقی اقرار کے حوالے سے جس قسم کا طنز کیا ہے اس کی نشاندہی کی جائے اور انھیں باتوں کو بنیاد بنا کر انگلستان اور پاکستان کے سماجی رویوں کا موازنہ لکھوایا جائے۔
- انگلستان کے ہوٹلوں میں مصنف کو کیا نقشہ نظر آیا۔ اس کی تفصیلات طلبا سے پوچھی جائےؔ۔
- دونوں تہذیبوں کی خوبیوں اور خامیوں کی جو مثالیں مصنف نے پیش کی ہیں اسے بنیاد بنا کر اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا جائےؔ۔ اور طلبا کو تمام اہم نکات ذہن نشین کرنے کی ہدایت دی جائے۔
- بیروزگاری کے تناظر میں مصنف نے جس قسم کی رائےؔ کا اظہار کیا ہے اس حوالے سے دونوں ممالک کی حکومتی رویوں اور عوام کے دلوں میں جنم لینے والے خیالات پر بحث کی جائے۔

- ان باتوں کو بنیاد بنا کر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- اس سبق کا خلاصہ لکھوایا جائے اور اہم نکات کی نشاندہی کر کے خلاصہ لکھنے میں طلبا کی رہنمائی کی جائے۔
- بعض دلچسپ اور سبق آموز حصوں کے تفہیمی سوالات بنا کر طلبا سے جوابات لکھوائے جائیں۔
- امتحانی نقطۂ نظر سے متوقع سوالات کی مشق کروائی جائے۔ طلبا جوابات لکھنے کی کوشش کریں۔
- جہاں ضروری ہو وہاں جوابات لکھنے میں طلبا کی رہنمائی کی جائے۔ اس سلسلے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بجائے تنقیدی نوٹ لکھوانے کے انھیں اہم نکات کے بارے میں بتایا جائے تاکہ طلبا ان نکات کی مدد سے سوال کا جواب لکھنے میں آسانی محسوس کریں۔
- نصاب میں شامل کسی دوسرے مزاح نگار سے اس سبق کا موازنہ کروایا جائے۔
- طلبا سے ان کے اپنے سفر کی روداد کو ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں لکھنے کی مشق کرائی جائے تاکہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں اُبھر سکیں اور تحریری صورت میں زبان کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

گوری سوئے سیج پر...... اور مکھ پہ ڈارے کیس (مستنصر حسین تارڑ)

- مستنصر حسین تارڑ کا حیات اور کارناموں کا اجمالی جائزہ طلبا کے سامنے پیش کیا جائے۔
- کسی طالب علم نے اگر مصنّف کی کوئی تحریر پڑھی ہو تو اس کے بارے میں پوچھا جائے۔
- کالم نگاری اور کے حوالے سے طلبا کو معلومات فراہم کی جائے۔
- ان کے سفر ناموں کی تاریخی حیثیت کے بارے میں بات چیت کی جائے۔
- ان سفر ناموں میں رومانوی پہلو دیگر تمام پہلوؤں پر غالب نظر آتا ہے اس حوالے سے مثالیں دیجیے۔
- تارڑ کی سفر نامہ نگاری پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل اس مضمون کے ماخذ ''سنہری اُلو کا شہر'' کے بارے میں طلبا سے پوچھا جائے۔ مناسب حد تک اس سفرنامے کے موضوع کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی جائیں۔
- اس سفرنامے کے حوالے سے بھارت اور پاکستان کے تعلقات کی نوعیت رکاوٹوں کے حوالے سے ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- سفرنامے کا یہ اقتباس چونکہ ناشر کی جانب سے اشاعت کی اجازت نہ ملنے کے باعث کتاب میں شامل نہیں کیا جا سکا ہے لہٰذا اصل کتاب سے اس اقتباس کی بلند خوانی کرواکر مشکل الفاظ اور معانی لکھوائے جائیں۔
- نئی اور پرانی دہلی کے فرق اور ان دونوں اطراف کی زندگی کے تضادات پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- مشہور صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بارے میں جس قسم کی رائے کا اظہار کیا گیا ہے اس کی وجوہات پر روشنی ڈالی جائے اور اس حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھنے کی مشق کروائی جائے۔
- مختلف اولیاء اور صوفیا کے مقابلے میں غالب سے اظہارِ عقیدت کا پس منظر طلبا کے سامنے بیان کیا جائے۔
- سبق کے اسلوب اور پرکشش انداز بیان کے حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔

- مزار اور اس کے آس پاس کا نقشہ کھینچ کر بھارت اور پاکستان کے مزارات کا جو موازنہ پیش کیا گیا ہے اسے اپنے الفاظ میں لکھوایا جائے۔
- مصنّف نے مختلف اشعار کی جو مثالیں دی ہیں اس کا مفہوم سمجھا جائے۔
- مصنّف کے بیان میں حبُ الوطنی کے جو جذبات موجزن ہیں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے طلبا کی توجہ اس جانب مبذول کروائی جائے۔
- امیر خسرو کے حوالے سے طلبا کو بنیادی معلومات فراہم کر کے اس بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- معجزات کے حوالے سے ان کی حقیقت پر روشنی ڈال کر طلبا سے رائے پوچھی جائے۔ اس حوالے سے موجودہ سائنسی دور میں اس کی حقیقت پر ایک مضمون بھی لکھوایا جائے۔
- مستنصر کے سفر ناموں سے جن اہم تاریخی شخصیات کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے ان کا مختصراً تعارف پیش کیا جائے۔ ان شخصیات کے ذکر کی وجوہات کے حوالے سے طلبا سے مضمون لکھوایا جائے۔
- کلامِ اقبالؔ کے حوالے سے مصنّف کے نظریات کا تجزیہ کر کے اس پر ایک نوٹ لکھوایا جائے۔
- مذہبی حوالے سے جس قسم کا تعصب بھارت میں موجود ہے اس بارے میں طلبا سے تبادلۂ خیال کر کے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- اس سبق کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- امتحانی نقطۂ نظر سے سوالات کے جوابات کی مشق کرائی جائے۔ اس سلسلے میں طلبا کی مناسب رہنمائی کی جائے۔
- سبق کے اہم نکات طلبا کو ذہن نشین کروایا جائے۔
- سبق کا تنقیدی جائزہ لے کر طلبا سے ایک جامع مضمون لکھوایا جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ڈرامہ

ڈرامے کا تصور قدیم یونان سے وابستہ ہے جس کے معنی ''کچھ کر کے دکھانا'' ہے۔ ڈرامے سے انسان کی دلچسپی فطری ہے۔مشہور مغربی ناقد ھڈسن کے الفاظ میں ''ڈرامہ ایک نقالی ہے جو حرکت (عمل) اور تقریر (مکالمہ) کے وسیلے سے کی جاتی ہے'' انسان اپنی مسرت اور الم کا مختلف طریقے سے اظہار کرتا ہے۔کبھی چہرے کے اتار چڑھاؤ اور کبھی اعضا کی جنبش اور حرکت سے وہ اپنے تاثرات پیش کرتا ہے۔ اس طرح جب وہ دوسروں کی نقالی کرتا ہے تو ڈرامہ یا ناٹک وجود میں آتا ہے۔ ڈرامے کی اہمیت جو اسے دوسری اصناف سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی عوام سے قربت ہے کیونکہ اس کو دیکھنے والے سوسائٹی کے ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ ڈرامے میں بھی ناول اور افسانوں کی طرح پلاٹ کا ہونا ضروری ہے۔ ایک معیاری ڈرامے میں ربط وتسلسل اور توازن و تناسب کا ہونا ضروری ہے۔ کہانی میں تذبذب پیدا کرنے کے لیے ڈرامہ نگار بعض اوقات ٹکراؤ کشمکش (conflict) کا استعمال کرتا ہے۔ ڈرامے کی کامیابی ان چیزوں کے ذریعے ممکن نہیں۔ پلاٹ کے واقعات کسی خاص خیال کی بنیاد پر ترتیب دیے جاتے ہیں۔ یہ ڈرامے کا مرکزی خیال ہوتا ہے جو پلاٹ کو مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ڈرامے کے آغاز میں مختلف کرداروں سے ہمارا تعارف ہوجاتا ہے جو کہانی کو انجام تک پہنچانے میں مدد دیتے ہیں۔

ڈرامے میں کرداروں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ کردار ہی ہیں جو کہانی کو عملی صورت میں آگے بڑھاتے ہیں۔کرداروں کی گفتگو ڈرامے کا بنیادی جزو ہے۔ مکالمے کے ذریعے کہانی شروع ہوتی ہے۔مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایک مجموعی تاثر قائم کرواتی ہے۔ ڈرامے میں جوں جوں واقعات آگے بڑھتے جاتے ہیں ایک متصادم کیفیات پیدا ہو جاتی ہے۔ انجام میں الجھن دور ہونی شروع ہوجاتی ہے۔کبھی کبھی انجام ناظرین کی توقع کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یوں آغاز، کشمکش ، تصادم ، نقطۂ عروج اور انجام کی ترتیب ایک اچھے ڈرامے کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

ڈرامے کی مختلف اقسام ہیں مثلاً المیہ ، طربیہ ،میلو ڈراما ، سوانگ ، ڈریم ، یک بابی ڈرامہ اور نثری ڈرامہ وغیرہ۔لیکن اپنے تاثر کے لحاظ سے ڈرامے کی دو بنیادی اقسام ہیں ، ایک المیہ اور دوسرا طربیہ۔ بقیہ سب انہی کی ضمنی قسمیں ہیں۔

نواب واجد علی شاہ کے ذریعے اُردو کا پہلا ڈرامہ منظرِ عام پر آیا۔ ابتدائی ڈراموں میں امانت لکھنوی کا ''اِندر سبھا'' اپنے وقت کا مقبول ترین ڈرامہ تھا۔ بعد میں رونق بنارسی، ظریف اور احسن لکھنوی وغیرہ نے معیاری ڈرامے لکھے۔ آغا حشر کاشمیری کو اُردو ڈرامے کا شیکسپیئر کہا گیا۔ ۱۹۲۲ء میں امتیاز علی تاج کے ڈرامے ''انارکلی'' نے اس صنف کو بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اُردو ڈرامے کی تاریخ میں یہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دورِ جدید میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ڈراموں کے بے حد مقبول سلسلے نشر کیے جا رہے ہیں جو عوام میں اس صنف کی پذیرائی کا ثبوت ہیں۔

انارکلی ۔منظر سوم (امتیاز علی تاج)

- نصاب کے اس حصّے کی تدریس سے قبل طلبا کے سامنے ڈرامے کے مفہوم اور اقسام کے بارے میں بات چیت کی جائے اور المیہ اور طربیہ ڈراموں کے فرق کی وضاحت کی جائے۔
- ڈرامے کے اجزائے ترکیبی مثلاً پلاٹ، کردار، مکالمے وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہانی کے بارے میں مختصراً معلومات فراہم کی جائیں۔
- اُردو ڈرامہ نگاری کے آغاز اور اہم ترین ڈرامہ نگاروں کی ناقابل فراموش تخلیقات کے بارے میں بتایا جائے تاکہ طلبا مطالعے میں دلچسپی لیں۔
- اسٹیج ڈرامے کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے طلبا کو اس کی تفصیلات فراہم کی جائیں تاکہ اگر اسکول میں اس قسم کی غیر نصابی سرگرمی ہو رہی ہو تو طلبا اس میں دلچسپی لیں۔
- اُردو ڈرامہ نگاری کی تاریخ میں انارکلی کی اہمیت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- اس ڈرامے کے مصنّف امتیاز علی تاج کے عہد اور کارناموں کے بارے میں گفتگو کی جائے۔
- امتیاز علی تاج کی ڈرامہ نگاری کے علاوہ ان کی دیگر حیثیتوں کے بارے میں بتایا جائے۔
- امتیاز علی تاج کے مختلف ڈراموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔
- ظرافت کے حوالے سے امتیاز علی تاج کے تخلیق کردہ کردار مثلاً چچا چھکّن وغیرہ جیسے کرداروں کے حوالے سے ان کے فن پر روشنی ڈالی جائے۔
- ان کے اسلوبِ بیان کی انفرادیت پر گفتگو کی جائے۔
- انارکلی کی تکنیک اور تاریخی پس منظر کے بارے میں طلبا کو بتایا جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

- یہ قصہ فرضی ہے یا حقیقی، اس سلسلے میں ٹھوس دلائل دیے جائیں۔
- اس ڈرامے کے ذریعے مغلوں کے طرزِ زندگی اور عادات و اطوار کا جو منظر نامہ اُبھرتا ہے اس کا اجمالی جائزہ پیش کیا جائے۔
- ڈرامے سے شہنشاہ اکبر کی با رعب شخصیت کا جو تاثر اُبھرتا ہے اس حوالے سے اس کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- ایک شہزادے اور کنیز کی محبّت کی کشمکش اور اس کے انجام کے بارے میں گفتگو کر کے ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل ڈرامہ ''انارکلی'' کے حصّے کی بلند خوانی کروائی جائے۔
- اس حصّے میں ڈرامہ کس طرح نقطۂ عروج سے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ ڈرامے کے اس حصّے میں جذبۂ حسد و رقابت کی جو مثالیں ملتی ہیں اس کی نشاندہی کی جائے اور اس کے بھیانک انجام کے بارے میں طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- ڈرامے کے اس حصّے میں غم و الم کی کیفیت پر اظہارِ خیال کر کے طلبا سے اس کی وجوہات پوچھی جائیں اور اس موضوع پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- فنی لحاظ سے اس ڈرامے کی اہمیت پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- ڈرامے کے مکالمے کی خوبیوں کو اُجاگر کر کے مختلف کرداروں کے مکالموں کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ ساتھ ساتھ ان مکالموں سے پیدا ہونے والے تاثر پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- تمام کرداروں کی نا آسودگی کی وضاحت کرتے ہوئے اس المیے کی وضاحت کی جائے۔ کسی نہ کسی صورت میں تمام اہم کرداروں کی زندگی کا حصّہ رہیں۔
- اس المیے سے پیدا ہونے والی صورت حال پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- نصاب میں شامل اس حصّے کے تمام کرداروں کا مختصر جائزہ لیا جائے۔
- اکبرِ اعظم کی بے بسی اور غم و غصّے کی وضاحت کی جائے۔ ساتھ ہی اس موضوع پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- انارکلی کے کردار کی اہم باتوں کو اُجاگر کر کے اس کردار پر ایک مضمون لکھوایا جائے۔

- بڑے بڑے دعوے اور وعدوں کے باوجود شہزادہ سلیم کی شخصیت وہ تاثر قائم کرنے میں ناکام نظر آتی ہے جو ایک سچے عاشق کے لیے ضروری ہے۔ ان پہلوؤں کے بارے میں طلبا سے گفتگو کی جائے۔ اس کردار کے بارے میں ان کی رائے پوچھی جائے۔ اس کردار میں عمل کی کمی کے حوالے سے منفی باتوں کے بارے میں اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- اکبر کے کردار میں ہمیں باپ سے زیادہ ایک بڑی سلطنت کا شہنشاہ نظر آتا ہے۔طلبا سے اس کی وجوہات پوچھی جائیں۔ اس حوالے سے اکبر کے کردار پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- مقصد کے حصول کے لیے دلا رام جس قسم کی چالیں چلتی ہے اس کی مثالیں دی جائیں۔ بچّوں سے اس کردار کے بارے میں پوچھا جائے۔ ڈرامے میں اس کردار کی اہمیت پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- دلارام اور انارکلی کے درمیان کشمکش کے پس منظر کو بیان کرکے طلبا سے اس کے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- مہارانی کے کردار میں ممتا کے جذبات کی مثالیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کردار پر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- ثریا کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے اس کردار کی جرأت اور بہادری کے حوالے سے ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- تمام کرداروں کے تفصیلی جائزے کے بعد طلبا کے سامنے اس طرح کے سوالات رکھے جائیں کہ اکبر، شہزادہ سلیم ، انارکلی اور دلارام وغیرہ میں سے کون سا کردار اپنے مؤقف میں حق بجانب تھا۔ اس حوالے سے ایک مختصر بحث و مباحثے کے بعد طلبا سے تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔ کوشش کی جائے کہ طلبا کلاس میں ہونے والی بحث کے دوران حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر مضمون لکھیں۔
- جہاں نہایت ضروری ہو طلبا کی رہنمائی کی جائے۔
- اہم نکات بیان کرکے ان کی تحریری صلاحیت بڑھانے کے لیے جس حد تک ممکن ہو لکھنے کی مشق کروائی جائے۔

ناول

کہانی سننا اور سنانا بہت قدیم زمانے سے انسان کا شوق رہا ہے۔ اسی لیے دنیا کی ہر زبان اور تہذیب میں داستانیں ضرور ملتی ہیں۔ داستانوں کے بعد اُردو میں ناول کی صنف وجود میں آئی۔ جو طوالت میں داستانوں سے کم ہوتا ہے۔ بہت سی دیگر اصناف کی طرح ناول نگاری کا فن بھی اُردو ادب میں انگریزی ادب کے توسط سے آیا ہے۔''ناول'' اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی نیا اور عجیب کے ہیں۔ یہ ایک طویل مسلسل قصہ ہوتا ہے جس میں زندگی کی سچائیوں اور حقائق کو پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لیے قاری بھی ناول کے اسی ماحول میں اپنے آپ کو چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔

فنی اعتبار سے ناول میں مندرجہ ذیل عناصر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

کہانی: کہانی بنیادی چیز ہے۔ کہانی کی ترتیب اور ارتقا پر ناول کی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔

پلاٹ: واقعات کی ترتیب اور اتار چڑھاؤ اور عمدگی سے خاتمے تک پہنچانے میں پلاٹ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ابتدا، عروج اور انتہا تک پلاٹ گتھا ہوا ہونا چاہیے۔ ابتدا سے مراد قصّے کا آغاز ہے جہاں ہمارا تعارف کسی کردار یا واقعے سے اسی طرح کرایا جاتا ہے کہ ہم اس کی آئندہ روش اور مستقبل سے دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ہم حیرت اور استعجاب میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کردار اب اس حالت سے کیسے نکلے گا۔ اس عروج کے بعد آہستہ آہستہ تمام گتھیاں سلجھنے لگتی ہیں اور کہانی اپنے انجام سے دوچار ہوتی ہے۔ سادہ یا مرکب پلاٹ ہی کی وجہ سے تمام کردار اور واقعات ایک دوسرے سے منسلک رہتے ہیں۔

کردار: کردار کے انتخاب سے ناول نگار کے سلیقے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اچھے ناول کی یہ خوبی ہے اس میں ایک مرکزی کردار ہو اور سارے واقعات اسی کے گرد محور پر گردش کرتے ہوں۔ اعلیٰ درجے کے کردار کا تقاضا یہ ہے کہ ہر کردار عام انسانی خصوصیات کے حامل ہوں۔ ان کے کرداروں کے افعال و اعمال اور ردِعمل سے ہی ناول کی تشکیل ہوتی ہے۔

مکالمہ: مکالمے کے ذریعے ہم کرداروں کے جذبات و احساسات کو بیان کرتے ہیں۔ ان کی خوشی اور غم کی تصویر کھینچتے ہیں۔ مکالمہ جس قدر دلچسپ اور برمحل ہوگا، ناول اسی قدر کامیاب ہوگا۔ مکالمے کے ذریعے ہیں طربیہ اور المیہ صورتحال پیدا کی جاتی ہے۔

منظر نگاری: ناول میں منظر نگاری بھی ایک اہم چیز ہے۔اس کے ذریعے ہم معاشرے کے مختلف پہلوؤں، تہذیب و ثقافت اور اس دور کے حالات کی صحیح عکاسی بھی کر سکتے ہیں۔

نظریۂ حیات: ہر ناول کا کوئی نظریۂ حیات ضرور ہوتا ہے۔ ناول کا بنیادی موضوع کیونکہ انسان ہے لہٰذا انسان کا زندگی گزارنے کا کوئی نظریہ ضرور ہوتا ہے۔ اس طرح ناول نگار زندگی کا کوئی ایک پہلو ضرور ہمارے سامنے واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

موضوع کے لحاظ سے ناول کی کئی قسمیں ہیں مثلاً معاشرتی ناول، اصلاحی اور مقصدی ناول ، تاریخی ناول ، رومانی ناول ،نظریاتی ناول ، جاسوسی ناول اور کرداری ناول وغیرہ۔

''امراؤ جان ادا''، ''ایسی بلندی ایسی پستی''،''خدا کی بستی''،''آ گ کا دریا''،''اداس نسلیں''، ''خون جگر ہونے تک''، ''گئودان''،''علی پور کا ایلی''،''بستی''،''راجہ گدھ''،''آ نگن'' اور ''تلاشِ بہاراں'' وغیرہ اُردو کے اہم ترین ناول شمار کیے جاتے ہیں۔

مراۃُ العروس (ڈپٹی نذیر احمد)

- ناول کے فن اور تکنیک کے حوالے سے گفتگو کی جائے۔
- ناول کا مفہوم اور اس کے بنیادی اجزا کی وضاحت کی جائے۔
- داستان ، ناول اور افسانے کا فرق مختصراً سمجھایا جائے۔
- ناول کے پلاٹ ، کردار اور اقسام کے حوالے سے گفتگو کی جائے۔
- اُردو میں ناول نگاری کے آغاز کے حوالے سے معلومات فراہم کی جائیں۔
- ناول کے فن کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی اہمیت اور افضلیت کے حوالے سے گفتگو کی جائے۔
- نذیر احمد کی حیات اور کارناموں کے بارے میں ایک جامع نوٹ لکھوایا جائے۔
- نذیر احمد کے عہد کا منظر نامہ بیان کرتے ہوئے ان کے مختلف ناولوں کا مختصر جائزہ لے کر ان ناولوں کے موضوعات کے حوالے سے بنیادی معلومات فراہم کی جائیں۔
- نذیر احمد کے عہد کا منظر نامہ بیان کرتے ہوئے نصاب میں شامل ان کے پہلے ناول مراۃُ العروس کی تخلیق کا پس منظر بیان کیا جائے۔
- اُردو کے پہلے ناول کی حیثیت سے اس ناول کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

- اس ناول کی فنی خامیوں کے بارے میں بھی گفتگو کی جائے۔
- اس ناول کی اہمیت اور تکنیک پر ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- ناول کی ضخامت ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے طلبا کو ہدایت کی جائے کہ ہر کلاس میں وہ ناول کے کچھ مخصوص حصّے کا مطالعہ کرکے آئیں تاکہ اساتذہ اس حصّے کا خلاصہ اور اہم نکات طلبا کو بتا اور لکھوا سکیں۔
- تقریباً ڈیڑھ صدی قبل اس ناول کی تخلیق ہوئی اس لیے بعض الفاظ و محاورات کو سمجھنے میں طلبا کو دقّت محسوس ہوتی ہے لہٰذا طلبا جن حصّوں کا مطالعہ کرکے آئیں ان کے مشکل الفاظ اور محاورات کا مطلب سمجھایا جائے اور ایسے الفاظ کی فہرست بھی بنوائی جائے۔
- سرسیّد احمد خان کی تحریک میں یہ ناول کس طرح مددگار ثابت ہوا اس کا اجمالی جائزہ لے کر ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- تعلیم نسواں کے حوالے سے اس ناول کے کردار پر روشنی ڈالیے۔ اس زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم کی کیا صورت حال تھی۔ اس کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔ خواتین کی اصلاح اور ترقی کے حوالے سے اس ناول کی اہمیت اُجاگر کرکے طلبا سے اس موضوع پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- اس ناول کی شہرت اور مقبولیت کے حوالے سے طلبا کو معلومات فراہم کرکے اس کے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- ناول کے مطالعے کے بعد اساتذہ اس کی کہانی کا خلاصہ بیان کریں۔
- طلبا سے اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- ناول کے موضوع اور سماجی اور معاشرتی پس منظر کی روشنی میں اس موضوع کی اہمیت بتا کر ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- نذیر احمد کے ناولوں میں مقصدیت کے پہلو کو اُجاگر کرکے اس بات کا جائزہ پیش کیا جائے کہ وہ اپنے اس ناول میں مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو پائے ہیں یا نہیں۔
- اس حوالے سے طلبا سے رائے لی جائے اور مقصدیت کے حوالے سے اہم نکات لکھوائے جائیں۔

- مسلم معاشرے میں عورتوں کی حالت کا جو نقشہ نذیر احمد کھینچتے ہیں، اس کی وضاحت کیجیے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتائیے کہ کیا واقعی اس زمانے میں مسلمان عورتوں کی حالت اتنی ابتر تھی یا نذیر احمد نے محض مبالغے کے ذریعے ناول کو پر اثر بنانے کی کوشش کی ہے۔
- اس حوالے سے طلبا کی معلومات کو جانچا جائے۔ اہم نکات کو بتا کر اس حوالے سے ایک مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- پردے کے حوالے سے نذیر احمد کے خیالات سے آگاہ کیجیے۔
- نذیر احمد کی زبان اور اسلوب کے حوالے سے گفتگو کیجیے۔
- دلّی کی ٹکسالی زبان 'با محاورہ گفتگو' عورتوں کی مخصوص لفظیات اور مزاج کے عنصر کے حوالے سے ناول سے مثالیں پیش کی جائیں۔
- ان باتوں کو بنیاد بنا کر نذیر احمد کی طرزِ تحریر کی خوبیوں کے حوالے سے ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- ناول کے عیوب مثلاً ناصحانہ گفتگو، طویل مناظرے، کرداروں کی یکسانیت اور دیگر خامیوں کے بارے میں ایک جامع اور مفصّل بحث کی جائے۔ اس حوالے سے کہانی کے مختلف حصّوں، مکالموں اور کرداروں کے بارے میں طلبا کی معلومات کا جائزہ بھی لیا جائے۔
- ان معلومات کی بنیاد پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- ناول کے مختلف کرداروں کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
- اصغری جیسا مثالی کردار تخلیق کرنے کا مقصد اور اس کردار کی خوبیوں کا تفصیلی جائزہ پیش کر کے اس کے اہم نکات قلمبند کروائے جائیں۔
- گھر کے دیگر افراد سے تعلق کے حوالے سے اصغری کے رویّے اور سلوک کی تفصیلات فراہم کی جائیں۔
- تمیز دار بہو کا خطاب دینے کی وجوہات کے بارے میں طلبا سے رائے لی جائے۔
- اس کردار کی مقبولیت کے حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- اکبری جیسا معیوب کردار تخلیق کرنے کی وجوہات کے بارے میں طلبا سے معلومات کا تبادلہ کیا جائے۔
- مزاج دار بہو کا خطاب ملنے کی وجوہات بتائی جائیں۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے اس

کردار میں موجود خامیوں اور والدین کے کردار کے بارے میں بتایا جائے۔ اکبری کے کردار کے پھوہڑ پن کی مثالیں دی جائیں۔ جہالت، کم علمی اور ضد وغیرہ۔ شخصیت اور کردار میں کا خامیاں پیدا کرتی ہیں۔ ناول کے اس کردار کے حوالے سے مثالیں دیں۔

- سسرال میں اکبری کے رہن سہن اور بے وقوفیوں کے حوالے سے طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔
- اکبری کی احساس کمتری کیا گل کھلاتی ہے اس کی تفصیلات بتائی جائیں۔
- اس کردار کے اہم نکات بتا کر ناول میں اس کی اہمیت پر ایک تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔
- اصغری اور اکبری کے کردار کا موازنہ پیش کیا جائے۔
- اُن نکات کی روشنی میں طلبا سے اپنے الفاظ میں موازنہ لکھوایا جائے۔
- گھر کے معاملات سے بیگانہ ہونے کا نتیجہ بیان کیا جائے۔
- اس حوالے سے ماما عظمت کی مثال پیش کی جائے۔
- اس کردار کی شرارتیں اور چالبازیوں کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔
- اس کی تمام چالوں اور شرارتوں کے بارے میں اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- اصغری کی بہترین حکمت عملی اور ماما عظمت کا راز فاش ہونے کا قصہ تفصیل سے بیان کیا جائے۔
- طلبا سے ناول کے اس حصے کا خلاصہ لکھوایا جائے۔
- اصغری پر اس نے جتنے بھی وار کیے اس کی تفصیلات سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- اس کردار کے انجام کے بارے میں طلبا سے پوچھا جائے۔
- ماما عظمت کے کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- دوسری ملازمہ رکھنے کے حوالے سے اصغری کے فیصلے اور امور خانہ داری پر پڑنے والے مثبت اثرات کی تفصیلات فراہم کی جائیں۔
- محمد عاقل کے کردار کے بارے میں طلبا سے سوالات پوچھے جائیں۔
- اکبری کی بدتمیزیوں کے باوجود اس کردار کے صبر اور برداشت کی مثالیں طلبا کے سامنے پیش کی جائیں۔ اس حوالے سے اہم نکات لکھوائے جائیں۔
- اصغری اور محمد کامل کی شادی کے بارے میں محمد عاقل کی رائے کے بارے میں بتایا جائے۔

- محمد کامل کے بارے میں بھی اہم نکات لکھوائے جائیں۔ اس کردار کی لاپروائی اور اس کو راہ راست پر لانے کے لیے اصغری کی جانب سے کی جانے والی کوششوں کی تفصیلات فراہم کی جائیں۔
- محمد عاقل اور محمد کامل کے کردار کا موازنہ لکھوایا جائے۔
- اصغری نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب قائم کیا اس کی روشنی میں ڈپٹی نذیر احمد کی جانب سے لڑکیوں کے لیے تعلیمی کوششوں پر روشنی ڈالیے۔
- بہن بہنوئی کا گھر بسانے ، نند کی شادی کرانے ، سسرال کے بگڑے ہوئے معاملات کو سنبھالنے، والدین اور اولاد کے تعلقات اور ذہنی حوالے سے عورتوں کے رویوں کے حوالے سے اس ناول کے اہم نکات طلبا کے سامنے پیش کر کے اصغری کے کردار کی صوّرت میں ایک مثالی زنانہ سوسائٹی کا جو تصور نذیر احمد پیش کرنا چاہتے ہیں ، موجودہ زمانے کی خواتین سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے طلباً سے اس قسم کے سوالات پوچھے جائیں کہ کیا نذیر احمد اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوئے ہیں ؟
- ان مباحث کی روشنی میں یکجا کیے گئے اہم نکات کی روشنی میں ناول کے اس پہلو پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- ناول کا مجموعی جائزہ لیا جائے۔ ناول کی تاریخ میں اس کی انفرادیت پر گفتگو کی جائے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے کردار مثلاً ہزاری مل ، محمودہ سلطانی بیگم ، شاہ زمانی بیگم ، کٹنی حجن اور محمد افضل وغیرہ کے کرداروں کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسمِ بامسّمیٰ کردار جیسے تماشا خانم جو بات بات پر تماشا کھڑی کرتی ہے ، خیر اندیش جو اصغری اور اکبری کے بھائی ہیں ، دور اندیش جو اصغری اور اکبری کے والدین ہیں اور ان کی گفتگو اور خطوط سے دور اندیشی جھلکتی ہے۔ دیانت النساء جسے ماما عظمت کے بعد ملازمہ رکھا جاتا ہے جو واقعی نہایت دیانت دار ثابت ہوتی ہے۔ ان تمام کرداروں کے بارے میں مختصر جائزہ لے کر ایک مضمون لکھوایا جائے۔
- اس ناول کی زبان و بیان اور مکالمے کی خوبیوں پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔ ناول سے مثالیں دی جائیں۔ اس حوالے سے ایک مضمون بھی لکھوایا جائے۔

دستک نہ دو (الطاف فاطمہ)

- نذیر احمد سے لے کر دور جدید تک ناول کے فن ، تاریخ اور رجحانات کے حوالے سے مختصر معلومات فراہم کی جائیں۔
- بیسویں صدی کی اہم ادبی تحاریک خصوصاً ترقی پسند تحریک اور حلقۂ اربابِ ذوق کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ان تحاریک کے ذریعے ادب پر پڑنے والے اثرات کا مختصر جائزہ پیش کیجیے۔
- ''دستک نہ دو'' کی مصنفّہ الطاف فاطمہ کی حیات اور ادبی مقام و مرتبے کے حوالے سے مختصر معلومات فراہم کی جائیں۔
- الطاف فاطمہ کے مختلف ناولوں کے موضوعات ، رجحانات اور اسلوب کے حوالے سے مختصر گفتگو کی جائے۔
- ضخامت کے پیش نظر ہدایت کی جائے کہ طلبا ناول کے کچھ مخصوص حصّوں کا خلاصہ بیان کرکے طلبا سے لکھوانے کی مشق بھی کروائی جائے۔
- ناول کے اہم ترین حصّوں کی بلند خوانی کروائی جائے۔ اس دوران تشریح طلب مواد اور مشکل الفاظ وتراکیب کی وضاحت بھی کی جائے۔
- طالب علم کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اس ناول کا مکمل مطالعہ کریں۔ وقتاً فوقتاً طلبا سے ناول کے واقعات اور کرداروں سے متعلق سوالات کیے جائیں تاکہ ناول کی تفہیم کے حوالے سے اندازہ ہوسکے۔
- ''دستک نہ دو'' کی تکنیک سے متعلق گفتگو کی جائے۔
- ناول کے موضوع کا جائزہ لے کر اس کی اہمیت کے بارے میں بتایا جائے۔
- ناول کے سماجی ، سیاسی ، معاشی اور معاشرتی پس منظر کی روشنی میں تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے۔ ان موضوعات کے حوالے سے ناول کی اہمیت کو اُجاگر کرکے ہر موضوع پر الگ الگ تنقیدی نوٹ لکھوایا جائے۔

- ناول میں جس قسم کی معاشرتی کشمکش کو پیش کیا گیا ہے ان کی وضاحت کر کے طبقاتی تقسیم اور امیری غریبی کے فرق کو واضح کیجیے۔
- طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل اور نتائج سے طلبا کو آگاہ کیا جائے۔
- ناول کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوستانی تہذیب و تمدّن اور ہندو مسلم چپقلش کے حوالے سے طلبا کو آگاہ کیجیے۔
- ناول میں تقسیمِ ہند سے متعلق جس قسم کے حالات بیان کیے گئے ہیں اس کی وضاحت کی جائے۔ تقسیم کے المیے کے متعلق طلبا کی سابقہ معلومات کا جائزہ بھی لیا جائے۔
- کہانی میں موجود مختلف کرداروں کی ذہنی کشمکش اور ناآسودہ خواہشات کے حوالے سے تفصیلات فراہم کی جائیں۔ اس حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- ناول کے تمام کرداروں کا مختصر تعارف پیش کیا جائے۔
- مرکزی کردار گیتی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کردار کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کیجیے۔ طلبا سے اس کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- گیتی کے کردار کی انفرادیت پر روشنی ڈالی جائے۔
- اس کی شخصیت اور مزاج میں موجود ضد، اکھڑ پن، شرارتیں اور رشتوں کی پاسداری جیسی اہم خصوصیات پر بچّوں کو معلومات فراہم کر کے اس حوالے سے ایک مختصر مضمون لکھوایا جائے۔
- تقسیم ہند سے قبل اور بعد کی گیتی میں جو فرق ہے اس کی وجوہات اور محرکات پر روشنی ڈالی جائے۔
- صفدر یاسین لیوچو کے کردار کا تعارف کرواتے ہوئے ناول میں اس کردار کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے۔
- صفدر یاسین کردار کی وضاحت کرتے ہوئے چینی مسلمانوں کے بارے میں ایک اجمالی جائزہ لیا جائے۔ ساتھ ہی ان مسلمانوں کی ہندوستان آمد کی وجوہات اور سماجی اور معاشرتی پیش منظر کی وضاحت کیجیے۔
- اس کردار کی غریب الوطنی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دکھ، کرب اور نفسیاتی کیفیت کا جائزہ لیجیے۔

- صفدر یاسین کے اخلاص اور گیتی سے اس کے جذباتی لگاؤ کے بارے میں وضاحت کی جائے۔
- ناول میں اس کردار کی اہمیت اور گیتی سے اس کے تعلقات کے حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- ہندوستان اور چین کے معاشرے کا موازنہ کیجیے۔ پوری دنیا میں موجود اس طبقاتی تفریق کے حوالے سے طلبا کو بتائیے۔
- امّاں بیگم کے کردار کا تعارف کروائیے۔
- ان کے غرور، تکبّر اور تُند مزاجی کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔ غریب رشتے داروں سے ان کے رویّے کے متعلق بتائیے۔ ان کی شخصیت میں موجود بناوٹی انداز کی مثالیں پیش کیجیے اور طلبا سے اس کردار کے متعلق رائے لیجیے۔ امّاں بیگم کا اپنے شوہر بچّوں سے کس طرح کا تعلق تھا اس کی وضاحت کیجیے۔
- گیتی اور امّاں بیگم کے درمیان وقتاً فوقتاً ہونے والے تنازعات اور اس کے نتائج پر روشنی ڈالیے۔
- طلبا سے امّاں بیگم کے کردار پر ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- جہانگیر مرزا (ابّا میاں) کے کردار کا تعارف اور مختصر جائزہ لیا جائے۔ گھر کے معاملات سے بے خبر اپنی ذات میں گم، ناول کے اس کردار کی اہمیت کے بارے میں بتائیے۔
- گیتی اور ابّا میاں کے تعلقات کے حوالے سے طلبا کو آگاہ کیجیے۔
- ایک ہی طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود ابّا میاں اور امّاں بیگم کے کردار پر حوالے سے مختلف رویّے کے حامل ہیں۔ ان کے خیالات اور تصوّرات کے حوالے سے موازنہ کیجیے۔ طلبا سے ان دونوں کرداروں کا موازنہ کروایا جائے اور اس حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- ان دونوں کے اختلافات کیا رنگ لاتے ہیں اور ان کے بچّوں کے ذہنوں پر پڑنے والے منفی اثرات کس قسم کے ہیں۔ ان باتوں کے متعلق طلبا کو بتایا جائے۔
- شہریار (بڑے بھیّا) کے کردار کی نمایاں خصوصیت سے طلبا کو آگاہ کیجیے۔ ان کی خوش مزاجی کے حوالے سے مثالیں پیش کیجیے۔

- عصمت کو پسند کرنے کے باوجود شہریار اسے حاصل نہیں کر پایا۔ اس کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے نتیجے میں شہریار کی شخصیت پر پڑنے والے منفی اثرات کے بارے میں بتائیے۔
- شہریار کے ولایت جانے اور گھر والوں سے بیگانگی کی وجوہات بتائیے۔
- بختیا کے کردار کی انفرادیت اور رکھ رکھاؤ کے حوالے سے طلبا کو آگاہ کیجیے۔
- ابّا میاں کے انتقال کے بعد اس کردار میں جو نمایاں تبدیلی رونما ہوئی اس کی وضاحت کیجیے۔
- مسعود کے کردار کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ گیتی اور مسعود کے تعلقات کی وضاحت کیجیے۔
- غربت اور تنگدستی اس کردار پر کیا منفی اثر ڈالتی ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مسعود اور گیتی کی زندگی پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیجیے۔
- ارجمند کے کردار اور اس کی سلیقہ مندی کے حوالے سے مختصراً طلبا کو بتایا جائے۔
- گیتی اور ارجمند جڑواں ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس حوالے سے طلبا کو مثالیں دیجیے۔
- گیتی آراء ''بغاوت'' اور ارجمند ''اطاعت'' کے نمائندہ کردار ہیں۔ اس حوالے سے دونوں کرداروں کا موازنہ کیجیے۔
- طلبا سے صولت کے کردار کے متعلق سوالات کیے جائیں۔
- گھر کی بڑی بیٹی ہونے کے ناطے اس کردار کی نفسیاتی اُلجھنوں کی وضاحت کیجیے۔ اس کردار کی خانگی زندگی اور غلط راہوں پر چلنے کی وجوہات پر روشنی ڈالیے۔ کرنل سجّاد اور صولت کے تعلقات کی وضاحت کیجیے۔
- کرنل سجّاد اور گیتی کے تعلقات اور رشتوں کے بارے میں طلبا کو بتائیے۔
- کرنل سجّاد کے کردار کا مجموعی جائزہ پیش کیجیے۔
- صولت اور کرنل سجّاد کے کرداروں کے حوالے سے علیحدہ علیحدہ تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- چاچا جی، چاچی جی اور نورالہدیٰ کے کردار کا مختصر جائزہ لیجیے۔
- طبقاتی کشمکش کے حوالے سے ان کرداروں کی اہمیت کی وضاحت کیجیے۔
- طلبا سے ان کرداروں کے بارے میں پوچھا جائے اور پھر اس حوالے سے مضمون لکھوایا جائے۔

- سانگ اور اس کی بیوی کے کرداروں پر مختصر نوٹ لکھوایا جائے۔
- زبیر ، مارگریٹ ، اعظم بیگ اور آصف جاہ وغیرہ جیسے چھوٹے چھوٹے کرداروں کی اہمیت کی وضاحت کیجیے۔ طلبا کو بتائیے کہ واقعات کے تانے بانے بننے میں ان کرداروں کی کیا اہمیت ہے۔
- ناول کا ہر کردار ناآسودہ ہی رہتا ہے۔ یعنی جو کچھ چاہتا ہے حاصل نہیں کر پاتا۔ زندگی کے اس اہم نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے طلبا سے ان کی رائے لیجیے اور اس حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھوایا جائے۔
- تقسیمِ ہند اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فسادات کے پس منظر کا جائزہ اس ناول کی کہانی اور کرداروں کی روشنی میں لیجیے۔
- جہانگیر مرزا کے خاندان پر تقسیم کی وجہ سے پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیجیے۔
- کرداروں کی آپس کی رنجش ، عداوت ، احساسِ کمتری اور احساسِ برتری کو واضح کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے دکھ اور کرب کو بیان کیجیے۔
- صولت آپا اور ان کے میاں کے کردار کی مماثلت کے حوالے سے طلبا سے پوچھا جائے اور ایک مضمون بھی لکھوایا جائے۔
- ناول میں مکافاتِ عمل کے فلسفے کے حوالے سے طلبا کو مثالیں دیجیے۔
- حالات اور واقعات انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی لاتے ہیں اور سوچنے کے انداز کو کس طرح تبدیل کر دیتے ہیں۔ گیتی کے کردار کے حوالے سے اس موضوع کی وضاحت کیجیے اور ایک تنقیدی نوٹ لکھوائیے۔
- ناول ''دستک نہ دو'' کا دوسرے ہم عصر ناولوں سے موازنہ کیجیے اور اس ناول کی اہمیت بتائیے۔

درصفتِ قناعت

نظیر اکبرآبادی

خدا کا بڑا جس پہ احسان ہے
قناعت کے گھر کا وہ مہمان ہے
بڑی آبرو اس کی اور شان ہے
خوشی خرمی اس کو ہر آن ہے

دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

قناعت کی دولت ہے جس پاس یاں
وہ رہتا ہے آرام سے ہر زماں
نہیں خطرہ آتا کوئی درمیاں
تو دنیا کی دولت سے اے مہرباں

غنی گرنباشی مکن اضطراب
کہ سطاں نخواہد خراج از خراب

قناعت سے ہوتا ہے جو بہرہ ور
نہیں دیکھتا ہے کسی کا وہ در
بصد عیش رہتا ہے وہ اپنے گھر
اسے غور کر دل میں اے پُر ہنر

قناعت تونگر کند مرد را
خبر دہ حریص جہاں گرد را

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

فقیری کے رتبے پہ کی جب نگاہ
تو اس کا ہے کچھ اور ہی عز و جاہ
اگرچہ ہے سختی سے ہونا تباہ
ولے جان لے اس کو لطف الٰہ

نہ دارد خرد مند از فقر عار
کہ باشد نبی راز فقر افتخار

قناعت کی دولت ہے یاں اس قدر
نہ پہونچے جسے دولت سیم و زر
ہر اِک وقت رہتی ہے حق پر نظر
جو دیکھا تو دنیا میں شام و سحر

غنی را زر و سیم آرائش است
ولیکن فقیر اندر آسائش است

قناعت ہے سرمایۂ افتخار
قناعت میں ہے خوبی و اعتبار
تجھے جس طرح رکھے پروردگار
اسی میں تو راضی رہ اے دوستدار!

قناعت بہر حال اولیٰ تر است
قناعت کند ہر کہ نیک اختر است

قناعت سے ہوتا ہے جو آشنا
وہی کام کرتا ہے یاں عقل کا
اسے دے ہے عشرت کا عسرت مزا
جفائے فلک سے تو اسے با صفا!

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اگر تنگدستی ز سختی منال
کہ پیشِ خرد مند ہیچ است مال

کرے دل جو مہرِ قناعت منیر
وہ ہے موردِ نورِ لطفِ قدیر
اسے لوگ کہتے ہیں روشن ضمیر
تجھے بھی ہے لازم یہاں اے نظیرؔ

زنورِ قناعت بر افروز جاں
اگر داری از نیک بختی نشاں

تنقیدی جائزہ

نظیرؔ اکبر آبادی کی یہ نظم کلیاتِ نظیر میں شامل ایک مسدّس سے لی گئی ہے۔ یہ نظم رہنمائے اساتذہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بہت سے اساتذہ نظم ''در صفت قناعت'' کو نصاب کے مطابق سمجھتے ہیں تاہم او لیول اُردو فرسٹ لینگویج کے نصاب (3247) کے مطابق نظم ''قناعت'' کو کتاب کا حصّہ بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظم، تنقیدی جائزہ اور اشعار کی تشریح رہنمائے اساتذہ میں بھی علیحدہ سے شامل کیے گئے ہیں۔

اس نظم میں شاعر انسانی افعال و اعمال کے مختلف گوشوں کی وضاحت کرتے ہوئے نظم کے اس حصّے میں ''قناعت'' کی اہمیت، ضرورت اور اس کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ شاعر دنیا کی مادیت پرستی اور حرص و ہوس سے چھٹکارا حاصل کر کے شکر خداوندی کا درس دے رہے ہیں۔ ان کے خیال میں فقر اور بندگی کی پہلی منزل قناعت ہے۔ جس حال میں اور جیسا بھی اس رب نے رکھا ہو اس پر صبر و شکر کرنا ہی قناعت پسندی ہے اور نظیرؔ، نظم کے ہر بند میں اسی صبر و شکر کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نظیرؔ اکبر آبادی کی زندگی جس انداز سے بسر ہوئی اور اس زمانے میں سیاسی اور سماجی طور پر جس قسم کا ماحول تھا اس میں ایک قسم کے خیالات کا رواج پا جانا فطری امر تھا۔ گردشِ زمانہ سے امیر و غریب،

مفلس ، تونگر ، کمزور اور طاقتور سب ایک ہی طرح کے مسائل کا شکار تھے۔نظیر فطرتاً قلندر منش انسان تھے اس لیے قناعت اور ترکِ جستجو جیسی صفات کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہی صفات ان کی اس نظم میں بھی ہمیں نظر آتی ہے۔صرف نظیر ہی پر بس نہیں بلکہ اس عہد کے اکثر شعرا کے کلام میں اس قسم کے مضامین کی کثرت نظر آتی ہے۔نظیر کا تو رجحان بھی تصوّف کی طرف زیادہ تھا اس لیے ان کے کلام میں اخلاقی مضامین کے ساتھ ساتھ قناعت اور صبر کا تذکرہ زیادہ ہی ملتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس قسم کے موضوعات کے اظہار میں مایوسی یا بد دلی کی کیفیت پائی جاتی ہے بلکہ ایسے موضوعات کے اظہار کے دوران ان کے کلام میں ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ نظم مغرور اور سرکش لوگوں کے لیے پیغام بھی ہے جو دنیا کی حرص و ہوس میں پڑ کر شکر گزاری کے جذبات سے عاری ہو چکے ہیں۔ وہ یہ بھول چکے ہیں کہ جب انسان دنیا سے رخصت ہو گا تو کچھ بھی اس کے ساتھ نہیں ہو گا۔صرف اور صرف شکر گزاری ہی اس کے کام آئے گی۔ اللہ کی اطاعت ، فرمانبرداری اور صبر وشکر کی بدولت وہ آخرت میں سرخرو ہوگا۔ پوری نظم میں انھیں نکات کی وضاحت کرتے ہوئے شاعر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انسان اپنے عیش و آرام کے لیے کیا کیا جتن کرتا ہے ، عیش وعشرت کا سامان حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے لیکن جو کام اسے کرنا چاہیے وہ نہیں کرتا یعنی اللہ کا شکر ادا کرنا اور قناعت جیسی صفت پیدا کرکے اس قیمتی دولت پر اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہونا۔ اسی لیے شاعر قناعت کی صفت کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس کسی کے پاس یہ دولت ہے وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے وہ یہ صفت ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے بھی بار بار تلقین کی اسی لیے وہ قناعت سے اپنے دل کو منور کرنے کا درس دے رہے ہیں۔ یہ ایک لازوال نعمت خداوندی ہے جس سے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے اور انسان بھی خائف اور نالاں نہیں رہتا۔

بند نمبر ۱:

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ انسان پر اللہ کے جتنے بھی احسانات ہیں ان میں سب سے بڑا احسان ''قناعت'' ہے۔ قناعت جیسی دولت جس شخص کو مل جائے وہ دنیاوی عیش و آرام کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ لالچ، ہوس اور حرص اس شخص کے قریب نہیں پھٹکتی۔ وہ ہمیشہ خوش وخرم زندگی بسر کرتا ہے۔

لالچ اور ہوس کی وجہ سے انسان حلال و حرام میں تمیز کھو دیتا ہے لیکن قناعت کے ذریعے انسان اس سے بچ جاتا ہے، جس سے اس کی شان و شوکت بڑھ جاتی ہے۔ اگر کسی دل کو صبر و قناعت میسّر آجائے تو وہ ساری عمر راحت اور آرام کی سلطنت کی بادشاہی کر سکتا ہے۔

بند نمبر ۲ :

دنیاوی مال و دولت ہمیشہ انسانوں کے لیے مصیبت کا باعث رہی ہے۔ انسان ہمیشہ اس کے حصول میں سرگرداں نظر آتا ہے اور جب یہ دولت اسے حاصل ہو جائے تو اس بات کا اندیشہ کہ کہیں یہ دولت اس سے چھن نہ جائے۔ اسی لیے شاعر کہتے ہیں کہ قناعت ہی اصل دولت ہے جو ہمیشہ چین و سکون کا باعث بنتی ہے۔ جب مال و دولت کی فراوانی نہیں ہوگی لوٹنے کا خطرہ بھی نہیں ہوگا اور انسان ذہنی اور روحانی سکون حاصل کر سکے گا۔ اسی لیے وہ مفلس اور لاچار لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم غنی نہیں ہو اور مال و دولت کی کمی ہے تو اس میں اضطراب اور پریشانی کی ضرورت نہیں کیونکہ بادشاہ کبھی بھی خراب مال یا کم آمدنی پر خراج اور مالی گزاری وصول نہیں کرتے۔

بند نمبر ۳ :

اس بند میں شاعر قناعت کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے خوش قسمت انسان وہ ہے جس کے پاس قناعت کی دولت ہے کیونکہ قناعت پسندی کی وجہ سے ایسا شخص کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اس کی خواہشات اور ضروریات بڑی محدود ہوتی ہے لہٰذا گھر میں وہ بڑے آرام اور سکون سے زندگی بسر کرتا ہے۔ آخر میں وہ لالچی اور ناشکرے لوگوں تک یہ بات پہنچاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل امیر اور دولت مند وہ شخص ہے جو قناعت پسند ہو۔

بند نمبر ۴ :

دنیا کے تمام عہدوں اور مراتب سے بڑا مرتبہ فقیری ہے۔ ہر عہدے اور رتبے میں زوال ہے لیکن جس نے فقیری کا راستہ اختیار کیا وہ بلند سے بلند تر مقام تک پہنچتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ بے شک فقر و درویشی کا جو مزہ ہے اور جو اس کی شان و شوکت ہے وہ اپنی مثال آپ ہے لیکن اس منزل

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

تک رسائی اتنا آسان کام نہیں۔ بڑی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں، ریاضت کرنی ہوتی ہے، خواہشات اور ضروریات کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے، آسائشات کو ترک کرکے اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ تب جا کر انسان فقر کی منزل تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے شاعر بند کے آخری حصّے میں ہر باشعور اور عقل مند انسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقر، صبر و شکر اور قناعت جیسی دولت حاصل کرکے شرمندہ ہونے کے بجائے فخر کرنا چاہیے کیونکہ یہ وہ اوصاف ہیں جسے پیغمبروں نے اختیار کیا۔

بند نمبر ۵ :

دنیاوی مال و دولت اور قناعت کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ساری زندگی کا تجربہ اور مشاہدہ ہی کہا ہے کہ مال و زر اور سونے چاندی کی چمک بے شک وقتی طور پر انسان کی آنکھ کو خیرہ کر دیتی ہیں لیکن صبر و شکر اور قناعت کا اس دنیا میں کوئی ثانی نہیں لہٰذا ان دونوں کا موازنہ کرنا ہی بے کار ہے۔ فقر و قناعت کی صفات پیدا کرکے انسان ہر وقت حق اور سچ پر نگاہیں کیے رکھتا ہے۔ متقی اور پرہیز گار ہمیشہ خدا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں اس لیے قناعت بندے کو خدا کے نزدیک کر دیتی ہے جبکہ دنیاوی مال و متاع انسان کو خدا سے دور کر دیتا ہے۔ دولت مند دنیاوی ہوس اور خواہشات کا بندہ ہوتا ہے جبکہ صوفی درویش ہمیشہ قناعت ہی میں سکون حاصل کرتا ہے۔

بند نمبر ۶ :

دنیا کی تمام دولت ختم ہوسکتی ہے۔ اس لیے اس پر بھروسہ کرنا درست نہیں لیکن قناعت وہ قابل اعتبار اور قابل فخر دولت ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ دنیاوی دولت آج ہے، کل نہیں ہے، لیکن قناعت کی بدولت انسان ہر حاصل میں خوش رہتا ہے۔ شکر خدا وندی ادا کرتا ہے۔ جس حال میں اس کے رب نے رکھا، اسی میں راضی خوشی زندگی گزار دیتا ہے۔ دنیا کے دکھ، غم اور پریشانیاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتیں اسی لیے قناعت پسندی ہر حال میں بہترین ہے جو کوئی اسے اختیار کرتا ہے وہ دراصل دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت عطا کرکے دراصل خوش قسمتی کے دروازے اس شخص پر کھول رہے ہوتے ہیں۔

بند نمبر ۷:

وہ لوگ جو قناعت کی خوبیوں سے واقف ہوتے ہیں اور اسے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں دراصل وہ سب سے بڑی عقلمندی سے کام کرتے ہیں۔ قناعت کی بدولت وہ اطمینانِ قلب حاصل کرتے ہیں اسی لیے زندگی کے تمام امور میں وہ کامیاب رہتے ہیں۔ درست فیصلے کرتے ہیں۔ زمانے کی گردش سے اگر وہ کسی قسم کی مشکلات کا شکار ہو جائیں تو بھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ یہ لوگ غریبی میں بھی امارت کا مزہ لیتے ہیں۔ محدود خواہشات ہونے کے باعث گردشِ زمانہ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور مفلسی اور تنگدستی میں بھی خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں۔ آخر میں شاعر کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیاوی مال و دولت معمولی درجے کی چیز ہیں جس کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لیے بے کسی اور مفلسی میں بھی یہ لوگ غمگین اور اداس نہیں ہوتے۔

بند نمبر ۸:

ایسے لوگوں کو دنیا ہمیشہ روشن ضمیر جیسے القابات سے نوازتی ہے جن کا دل صبر و قناعت کی دولت سے روشن ہو۔ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور لطف و کرم اس شخص پر ہے جس کے پاس صبر و قناعت کی دولت ہے۔ روشن ضمیر لوگ ہمیشہ حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے زندگی میں کبھی ناکام نہیں رہتے۔ اسی لیے شاعر صبر و شکر اور قناعت کی دولت کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اسے ایک لازمی چیز قرار دے رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر قناعت کے نور سے اپنی زندگی کو منور کر لیا جائے تو یہ ہماری سب سے بڑی نیک بختی ہوگی۔

تفہیم : فارسی اشعار

نظم میں شامل تمام بندوں میں شامل فارسی کے اشعار کا مفہوم درج ذیل ہے۔

۱۔ عیش و آرام کی سلطنت کے شہنشاہ بن کر زندگی گزارو گے اگر تمہارے دل کو صبر اور قناعت کی دولت میسّر آ جائے۔

۲۔ اگر تمہارے پاس مال و دولت اور وسائل کی کمی ہے تو اس کی وجہ سے پریشان اور اداس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہی چیز تمہارے لیے سکون اور اطمینان کا باعث بن جائے گی۔ جب حکمران کبھی بھی تم سے لگان اور ٹیکس وصول نہیں کریں گے۔

۳۔ اے مال و دولت کے پیچھے بھاگنے والوں، اچّھی طرح سُن لو کہ قناعت ہی وہ دولت ہے جو انسان کو بلند مرتبہ اور امیر بنا دیتی ہے۔

۴۔ پیغمبری کے اوصاف میں سے اہم ترین وصف قناعت اور فقر ہے لہٰذا کوئی عقلمند انسان اس فقر کو باعث شرم نہ سمجھ سکتا۔

۵۔ صوفی اور درویش کے لیے راحت اور سکون کا سبب صرف اور صرف صبر و قناعت کی دولت ہے جبکہ دنیا دار انسان مال و دولت اور ظاہری شان و شوکت کو سب کچھ سمجھ کر سونے چاندی سے خود کو آراستہ کرتا ہے۔

۶۔ قناعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لو کیونکہ یہی خوش قسمتی کی علامت ہے۔ قناعت ہر حال میں تمہارے لیے بہترین ہے۔

۷۔ تنگ دستی اور مفلسی سے ہرگز غم زدہ نہ ہو کیونکہ اہلِ دانش دنیاوی مال و دولت کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

۸۔ قناعت ایک ایسا نور ہے جس سے انسان کا قلب اور ضمیر روشن ہو جاتا ہے۔ یہی قناعت انسان کی نیک بختی کی دلیل ہے۔

فرہنگ

عیدگاہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پُرتبسّم	مسکراتا ہوا	پامال	اجاڑنا، تباہ کرنا
مواضعات	جگہ، مقامات	مال ومتاع	اثاثہ۔ چیز بست
زرق برق پوشاک	چمکدار اور قیمتی کپڑے	بے سروسامانی	خالی ہاتھ
صابر وشاکر	صبر وشکر کرنے والا	منظّم	ترتیب دینا
رعب انگیز	رعب ڈالنے والا	وجدانی	فطری ،جبلی
باہم	ساتھ، آپس میں	یورش	حملہ، چڑھائی
ثُلث	ایک تہائی	ذکی الحس	تیزفہم، ہوشیار شخص
بساطی	مختلف چیزیں بیچنے والا	صف شکن	صف توڑنے والا
فیاض طبع	مہربان، سخی مزاج	مطلق	بالکل، قطعی
کہرام	ماتم، رونا پیٹنا	زاغ وزغن	کوّا اور چیل
مضائقہ	حرج	نفس کُشی	من مارنا
کوس	3 ہزار گز کا فاصلہ	سِرا	کونا۔ آخری حصّہ
کوتاہ فہمی	کم عقلی، ناسمجھی	مجمع	ہجوم، اجتماع
دہقان	کسان	خستہ حالی	بُرا حال
جاجم	دری پر بچھایا جانے والا فرش	دو زانو	زمین پر پیر موڑ کر بیٹھنا
ہم آہنگی	مطابقت	اخوّت	بھائی چارہ، یگانگت
مسائل	مسئلے، پریشانیاں	طفلانہ	بچّوں والی بات
عُسرت	غربت، تنگدستی	مذمّت	بُرائی کرنا، مخالفت
خارِج	نکال دینا	چوں چرا	تکرار، حجّت

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

طرزِعمل	رویّہ، روش، سلوک	خراج	محصول، مال گزاری
جلوہ افروز	خاص سج دھج سے آنے والا	مول	قیمت، دام
جاں سوزی	جان جلانا	مضروب	چوٹ لگنا، ٹوٹنا
تھار	تھال		

نیا قانون

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
واقف	جاننا	کوچوان	گھوڑا گاڑی چلانے والا
نافذ	جاری ہونا	متانت	سنجیدگی
اعتراف	قبول کرنا	آئین	قانون/ دستور
ششدر و متحیّر	حیران و پریشان	درخشاں	چمکدار
طوعاً و کرہاً	نہ چاہتے ہوئے	اکڑفوں	رعب و دبدبہ
تنفّر	نفرت	نشست	بیٹھنے کی جگہ، کرسی
غیر مرئی	نظر نہ آنے والی	چشم زدن میں	فوراً
ٹوڈی بچّہ	حکمرانوں کا خوشامدی	تشکک	شک کرنا
طنز وتعریض	اشارہ کنایہ میں چوٹ کرنا	نبّاض	نبض شناس، موقع شناس

جوتا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تشویش	پریشانی	لاحق	وابستہ، ملا ہوا، پیوستہ
واجبی	معمولی، برائے نام	سنّاٹے میں آنا	خاموش ہو جانا
دارہ/ دارے	بیٹھک، ڈیرہ	ناس مارنا	خراب کرنا
اُتھلا	کم گہرا	سورج سوا نیزے پر آنا	انہونی بات ہونا
زِچ ہونا	عاجز آنا، پریشان ہونا	گداگری	بھیک مانگنا
تیور بدلنا	انداز بدل جانا	تجزیہ	جائزہ لینا

نو دولتیوں	نئے دولت مند	کنگلے	جن کی جیب خالی ہو
اصطبل	گھوڑے باندھنے کی جگہ	منمنانا	ناک میں بولنا
گُنی	خصوصیات والا	تصحیح	درست کرنا

بادل

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
انوکھا	خاص ، نرالا	تشفّی بخش	اطمینان والا
اندیشے	خدشات	نخلستان	ریگستان میں سرسبز قطعہ
مینہ	بارش	بے معنی	کوئی حیثیت نہ ہونا
راہ	راستہ	احمقانہ	بیوقوفی کی بات
آثار	نشان ، علامات	منہ کھلا کا کھلا رہ جانا	حیرت کرنا
سیلی سیلی	نم ہونا	گم شدہ	کھویا ہوا
دماغ چل جانا	پاگل ہو جانا	عین	کسی جگہ کا تعین کرنا
جل تھل	زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی ہو	آسودگی	آرام ، سکھ ، آسائش

دستک

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
دستک	کھٹکا کرنا ، کھٹکھٹانا	مُصر	اصرار کرنا ، اَڑ جانا
احمق	بے وقوف	ندامت	شرمندگی
ٹھیس لگنا	صدمہ پہنچنا ، دکھ ہونا	الرجک	کسی بات سے چڑنا
سُن	بے حس وحرکت	منہ لگانا	التفات کرنا، یار بنانا
نجات	چھٹکارہ ، خلاصی	تجہیز وتکفین	کفن دفن
حرارت	گرمی	قبل از مسیح	قدیم ، بہت پرانا
ملبہ لادنا	ذمّہ داری ڈالنا ، قصوروار ٹھیرانا	توفیق	ہمّت ہونا

قناعت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
فُقر	فقیری، مفلسی	رُخ	رخسار، چہرہ
باٹ	راستہ، سڑک، سفر	بے زار	ناخوش، افسردہ
خد و خال	شکل وصورت	ادبار	بدنصیبی، نحوست، پستی
جتی	جوگی، سَنت	چاب لی	چبا لینا، کھا لینا
گُدڑی	فقیروں کا پیوندی جبّہ	استل	سنیاسیوں کا مسکن
چھال	درخت کا چھلکا	ابرو	بھویں
چوپال	بیٹھک، نشست گاہ	دشت	بیابان، جنگل
افعال	فعل، کام	دام	جال
چشم	آنکھ	دوشالہ	اوڑھنے کی چادر
افلاس	غربت، تنگدستی	زُلف	بالوں کی لٹ
پہر	دن کا مخصوص حصّہ	اقبال	عروج، خوشحالی
بستار	تشریح، تفصیل، پھیلاؤ	ہاٹ	دکان، منڈی
ملامت	بُرا بھلا کہنا	پینٹھ	آٹھویں روز کا بازار
ٹاٹ	بوری کا کپڑا	خَم	ٹیڑھا پن
تونگر	مالدار، امیر، دولتمند	کڑاکے پہ کڑاکا	فاقے پر فاقہ
آفات	مصیبتیں	خرّم	خوش، شاد ماں، شاداب
بر	زمین	اندوہ	رنج، غم، فکر
گردش دہر	دنیا کی گردش	بیاباں	ویرانہ، صحرا، جنگل
کھاٹ	چار پائی، پلنگ	فقیرمنش	سادہ طبیعت
قانع	قناعت کرنے والا	قشقہ	تلک، ماتھے کا ٹیکہ

مسدّسِ حالی

الفاظ	معنی
فن	ہنر، کاری گیر
نور	روشنی
تمدّن	تہذیب، شائستگی
ہنر	کاری گری، کمال
ستوں	ستون
پیر و برنا	بزرگ اور جوان
یکسر	بالکل، پورا، تمام
جُز	حصّہ
بانی	بنانے والا
حیات	زندگی
جاودانی	ہمیشہ کی، دائمی
پُجتے	پوجے جاتے
گر	اگر
وقعت	قدر و منزلت، حیثیت
قربت	قریب ہونا، نزدیکی
امڈے	بھر آنا
ہاتھ ملتے	افسوس کرتے
دانشوروں	عاقل، مدبر، دانش مند
واعظوں	وعظ کرنے والے
جچے	اچّھا لگنا

الفاظ	معنی
راہ	راستہ
تاباں	چمکدار، روشن
آدمیت	انسانیت
رغبت	شوق، اشتہا
عوض	چیز کے بدلے میں
زور آزما	طاقت آزمانے والا
فنا	ختم ہو جانا
قدر دانی	قدر کرنا
جاں فشانی	کڑی محنت
واں	وہاں
پس از مرگ	موت سے پہلے
آشکارہ	عیاں، ظاہر
رتبہ	عہدہ، بلند مرتبہ
مطلوب	درکار ہونا، خواہش ہونا
غم گساری	غم بانٹنا
تنزّل	رتبے سے گرانا
فقیہوں	علم فقہ کا عالم
فضیلت	بڑائی، بزرگی
فصاحت	خوش کلامی، خوش بیانی

اگر مذہب گیا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ہم نشیں	ساتھی، رفیق	صف	ہم قدم ، رتبہ، حیثیت
تازی زباں	نئی زبان	منقلب	روپ یا شکل بدلنا
او لارڈ	اوہ خدایا	معرب	اعراب لگایا گیا
باب	ضمن میں ، مد میں	مستحق	حق دار ، لائق، قابل
عقیدہ	اعتقاد ، ایمان	انجام کار	بالآخر ، آخر کار
پرتو یا رب	اسلامی شعار	پیہم	متواتر ، لگاتار
رنگ روز و رنگ شب	روز مرّہ کے معمولات	بعد ازیں	اس کے بعد
نیشنل فیلنگ	قومی سوچ اور جذبات	ٹھکانا	گھر ، منزل ، مقام
ملّت ومشرب	قوم اور مذہب	اتحادِ معنوی	عملی یا اصلی اتحاد
بہر ہلاک	ہلاکت خیز بیڑہ	مبنی	مشتمل
بالتخصیص	خصوصاً ، خاص کر	جامد	رکا ہوا ، جما ہوا
آغوش	گود ، پہلو	ضبطی	قبضے میں لے لینا
چرخ	آسمان	تیغ	تلوار
حاجب	پاسبان	روئے صنم	محبوب کا چہرہ
شمعِ انجمن	محفل کی جان	چراغِ خانہ	گھر کی زینت
راہیٔ ملکِ عدم	برزخ میں جانے والا	افضلیت	بہتر ہونا
فوقیت	ترجیح		

طلوعِ اسلام

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تنگ تابی	کم روشنی	گراں خوابی	خواب کی تھکن
عروق	عرق کی جمع / رگیں/نسیں	تلاطم	بے چینی

گوہر	موتی	سیرابی	بھر دینا
عطا	دینا	نطق	زبان
غنچوں	پھولوں	آشیاں	ٹھکانہ
چمن	باغ	سیماب	پارہ
برگستواں	گھوڑے کو میدان جنگ میں زخموں سے بچانے والا لباس	اُفق	مطلع، سورج جہاں سے طلوع ہوتا ہے
شمشیریں	تلواریں	ذوقِ یقیں	اعتقاد، پکّا ایمان
ولایت	ولی کا مرتبہ	خِرد	دانشمندی
چیرہ دستاں	سرکشی، زور آوری	تعزیریں	سرزنش، تنبیہہ
خاکی	انسان	نوری	نور کا بنا ہوا
یقینِ محکم	پختہ یقین		

او دیس سے آنے والے بتا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
یارانِ وطن	وطن کے دوست	آوارۂ غربت	پردیس میں آوارہ
فردوس	جنّت	سرو	دراز قامت درخت
ریحان	ایک خوشبو دار پودا	پربت	پہاڑ
گھنگور گھٹائیں	گھنی گھٹائیں	برکھائیں	برساتیں
بھانا	اچھا لگنا	سرمست	متوالا، مست
شفق	طلوع اور غروب سے پہلے کی روشنی	چمن	باغ
شگوفے	پھول اور کلیاں	شاداب	ہرے بھرے
شگفتہ	خوش، شاد، مسرور	معمور	لگا دینا، مقرر کرنا
گلزار	باغات، پھلواریاں	مالن	باغبان عورت
گھنیری	گھیرے	مدھ بھری	سریلی
گھاتیں	وارداتیں	طرح دار	بانکا، وضعدار

بہلیوں	یکہ نما بیل گاڑیوں	ترکانِ سیہ کار	گناہ ترک کرنے والے
ناقوس	سنکھ، جو ہندو بجاتے ہیں	پنگھٹ	پانی بھرنے کی جگہ، کنواں
پنہاریاں	پانی بھرنے والیاں	گاگر	گھڑا
چہلیں	ہنسی مذاق	ٹیکری	ٹیلا
گھاٹیوں	پہاڑی راستہ، درّہ	جوبن	جوانی
ہنسلی	کندھے کی ہڈی	عیاں	ظاہر
سمے	وقت	ملّاح	کشتی چلانے والا
تیتریوں	چھوٹے پرندے	اُفق	آسمان کا کنارہ
احباب	دوست	مہتاب	چاند
حریری	باریک، ہلکا	اَمرس	آم کا رس
ہم سِن	ہم عمر	چاہ	خواہش
ماہ وشیں	حسینائیں	گجردم چرواہے	صبح نکلنے والے چرواہے
ریوڑ	مویشیوں کے غول	بھور	صبح، سورج نکلنا
چکّی	آٹا پیسنے کے پتھر	سکھیاں	سہیلیاں
عبرت	تنبیہ، ہدایت	پورنا	پھیلے ہوئے
رقت	رونا، گریہ کرنا	غارتِ ایماں	ایمان خراب کرنے والی
آفتِ دوراں	اس وقت آفت ڈھانے والی	شمعِ شبستاں	عشرت گاہ کی رونق
مرجاناؔ	لڑکی کا نام	غنچہ دہن	پھول جیسا چہرہ
سروِچمن	باغ کے درخت	رشکِ سمن	چنبیلی بھی رشک کرے
سیم بدن	گورا بدن، خوبصورت	رُخِ گل رنگ	خوبصورت چہرہ
شرارے	شعلے، چنگاریاں	گیسوئے سیہ	کالی زلفیں، بال
بحرِ شفق	صبح اور شام کے وقت آسمان کی سرخی	سپنے	خواب
کنعان	فلسطین کا وہ علاقہ جہاں حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے		

بول

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
لب	ہونٹ	ستواں	پتلا ، سڈول خوبصورت
آہن گر	لوہار	تُند	تیز، خوفناک ، خونخوار
آہن	فولاد ، لوہا	قُفلوں	تالوں
دہانے	منھ ، جبڑے		

میر تقی میر: غزل ا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
غرور	تکبّر	زنداں	قید خانہ
زخمِ جگر	دل میں پہنچنے والی تکلیف	شور	ہنگامہ
شورش	شور، ہنگامہ ، دیوانگی	داور	انصاف کرنے والا، اللہ
تاجوری	بادشاہت ، حکمرانی	جنون	پاگل پن
محشر	قیامت	نوحہ گری	فریاد، ماتم ، رونا پیٹنا
سنگ	پتھر، اینٹ	بیدادگری	ظلم وستم
آفاق	دنیا	مداوا	علاج
آنکھ لڑنا	نگاہیں ملنا ، دیکھنا	منزل	رہنے کی جگہ، پڑاؤ
آشفتہ سری	پاگل پن ، دیوانگی	لپکا	شوق ،جستجو
اسباب	سامان	پریشان نظری	دیدار کی خواہش
شیشہ گری	شیشہ بنانے کا کام	سفری	سفر کرنے والا
نازک	ناپائیدار	ٹک	ذرا
یاں	یہاں	آفاق	دنیا
جگر سوختہ	جلا ہوا دل	راہ	راستہ
کارگہ	کارخانہ	چراغِ سحری	جلد بجھنے والا چراغ

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تدبیر	منصوبہ، تجویز، حکمت	پیری	بزرگی ، بڑی عمر میں
موند	بند کرنا	ناحق	بلا وجہ
تہمت	جھوٹا الزام	مختاری	سربراہی ، مختار کا پیشہ
عبث	بے فائدہ ، بے وجہ	رِند	شرابی
اوباش	بدمعاش	میخانہ	شراب خانہ
خرقہ	گدڑی ، پیوند لگا کپڑا	دیدار	دیکھنا
سپید و سیہ	سفید اور کالا	جوں توں	جیسے تیسے
ساعِد	کلائی	سیمیں	نرم و نازک
خیالِ خام	بے کار خیال	ساعت	لمحہ، گھڑی ، پل
سماجت	مِنّت کرنا	استغنا	بے نیازی ، بے فکری
جوں جوں	جیسے جیسے	ابرام	تاکید، تقاضا ، بے قراری
آہوئے رَم خوردہ	وحشت زدہ ہرن ، جنگلی ہرن	وحشت	گھبراہٹ ، دیوانگی، جنون
اعجاز	معجزہ ، کرشمہ ، کرامت	رام کیا	آمادہ کرنا
قشقہ	تلک ، ماتھے پر لگانے والا نشان	دَیر	بت خانہ ، بت کدہ

مرزا غالبؔ: غزل نمبر ۱

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
وصال	ملاپ ،ملن	یار	محبوب ، دوست
عہد	وعدہ	نازکی	نازک ہونا
استوار	مضبوط، پائیدار ، مستحکم	تیرِ نیم کش	آنکھیں ، نیناں
خلش	غم ، افسوس	ناصح	نصیحت کرنے والا
چارہ ساز	معالج ، کام بنانے والا	رگِ سنگ	پتّھر دل

جاں گسل	جان کو خطرہ ، خطرناک	شرار	چنگاری
بلا	آفت	رسوا	بدنام
غرق	ڈوبنا	یگانہ	لا ثانی ، بے مثل
یکتا	اللہ، ایک ، واحد	بادہ خوار	مے نوش ، شرابی

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
شعلے	آگ کی لپٹیں	برق	بجلی
تُند خو	تیز مزاج	رشک	برابری کی خواہش
ہم سُخن	ہم کلام ، ساتھی	بد آموزی	غیبت ، لگائی بجھائی
عدو	دشمن ، رقیب	لہو	خون
پیراہن	لباس	جیب	کیسہ ، تھیلی جو لباس میں لگائی جاتی ہے
حاجتِ رفو	کپڑوں میں پیوند لگانے کی ضرورت	کریدتے	چھان بین ، جستجو کرنا
رگوں	نسوں ، شریانوں	بہشت	جنّت
بادۂ گلفام	شراب	مشکبو	معطّر، خوشبودار
خُم	شراب کا گھڑا	شیشہ	بوتل ، صراحی
قدح	پیالہ ، ساغر ، جام	کوزہ	مٹّی کا برتن ، آب خورہ
سبو	پیالہ ، گلاس ، مٹکا	طاقتِ گُفتار	بولنے کی طاقت
شہہ	بادشاہ	مصاحب	ساتھی ، ہم صحبت
وگرنہ	ورنہ		

مومن خان مومنؔ: غزل نمبر ۱

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
رنج	افسوس	اغیار	غیر

تلخ کلامی	ترش بات، تکرار	زور آزما	طاقت آزمانے والا
روز افزوں	روز بہ روز	دم	سانس
دراز	طویل، لمبا	چارۂ دل	علاج
راحت	آرام، آسودگی	ناصح	نصیحت کرنے والا
لیک	رسم و رواج، دستور	چرخ	آسمان
مدعا	مقصد، مراد، غرض	گویا	چنانچہ
دستِ عاشق	عاشق کی پہنچ	عرضِ مضطر	بے بس کی فریاد
راحت فزا	خوشی دینے والا	ذوق	جمالیات، حُسن پسندانہ
بِن	بغیر	طولِ امل	لمبا نشہ
نارسائی	ناکامی	خصمِ جاں	جان کی دشمن
رسا	کامل، بلند ہونے والا	صنم	محبوب

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
قرار	عہد	نباہ	ساتھ دینا
لطف	مزہ	پیش تر	اس سے پہلے
گلے	شکوے	حکایتیں	قصّے، کہانیاں، افسانہ
روٹھنا	خفا ہونا، بگڑنا	روبرو	آمنے سامنے
اشارتوں	اشاروں میں	برملا	بلا تکلّف
بہم	ایک ساتھ، آپس میں	دم بہ دم	ہر وقت، ہر گھڑی
گلہ	شکوہ، شکایت	علامت	نشانی، آثار
اقربا	عزیز، دوست	جی	دل
راہ	راستہ	آشنا	جان پہچان والا
وصل	ملاپ، ملن	ہر آن	ہر لمحہ
مومن مبتلا	شاعر خود، عاشق		

علّامہ اقبالؔ: غزل نمبر ۱

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اہلِ نظر	نظر رکھنے والے	اندیشہ و نظر	خوف اور وہم
فساد	لڑائی جھگڑا	مئے خانۂ فرہنگ	دانائی ، دانش
تحقیر	بے عزتی ، توہین	مجال	ہمّت ہونا
فقیہِ شہر	شہر کا قانون دان	عشرتِ پرویز	شاہی آسائشات
سرمایۂ غمِ فرہاد	عشق ، محبّت	کشاد	فراخی ، کامیابی ، خوشی
رموزِ قلندری	صوفیانہ باتیں	خانقاہ	درویشوں کی رہائش
فاش	ظاہر کرنا	کلیمی	حضرت موسیٰ کی نبوت
کارِ بے بنیاد	بے بنیاد کام	عصا	ڈنڈا
سُرور و رعنائی	خوشی اور خوش نمائی		

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ادب گہِ محبّت	محبّت و ادب کا مقام	نگہ	نظر
تازیانہ	تنبیہ ، کوڑا ، چابک	بتانِ عصرِ حاضر	دورِ حاضر کے بت
ادائے کافرانہ	کافروں جیسی باتیں	تراشِ آزرانہ	آزر جیسی سنگ تراشی
گوشۂ فراغت	وہ جگہ جہاں کوئی مصروفیت نہ ہو	جہاں	دنیا
قفس	پنجرہ ، قید خانہ	آشیانہ	گھونسلہ ، رہائش
رگِ تاک	آنکھیں	بارشِ کرم	رحمتوں کی بارش
مے کدہ	شراب خانہ	مئے مغانہ	مست کرنے والی شراب
ہم صفیر	ہمدم ، ہم آواز	اثرِ بہار	چڑیاں چہچہانا ، پھول کھلنا
نوائے عاشقانہ	عاشقوں کی صدا	خاک وخوں	مٹّی اور خون
صلۂ شہید	شہید کو ملنے والا صلہ	تب وتاب	حرارت اور روشنی

جاوِدانہ	ہمیشہ کی ، دائمی	بندہ پروری	فیاض ، سخی
گلہ	شکوہ ، شکایت	شکایتِ زمانہ	زمانے کی شکایت

فیض احمد فیضؔ: غزل نمبر ۱

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
صد	ایک سو	کوچۂ جاناں	محبوب کا محلّہ
مقتل	قتل گاہ	نسب	رتبہ ، عہدہ ، رشتہ داری
ہجر	جدائی ، علیحدگی	دھج	انداز ، وضع ، روش
یاں	یہاں		

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ستم	ظلم ، جفا	عتاب	ناراضی ، قہر ، رنجش
مزارِ دار و رسن	قید خانہ	گرفت	پکڑ کرنا
جانِ بسمل	عاشق کی جان	تقاضے	ضرورت ، طلب
انجمن	محفل	جرمِ سُخن	بات کرنے کی خطا
جنوں	دیوانگی ، پاگل پن	خرد	عقل ، دانائی
فگار	فریفتہ ، قربان	مصلحت	اچھّا مشورہ ، حکمت
خطائے نظر	دیکھنے کی غلطی	راہِ وفا	وفا کا راستہ
اجارہ داری	زور زبردستی ، اختیار	تیغ	تلوار
سرو وسمن	سرو کا درخت اور چنبیلی	اسیر	قیدی

ناصؔر کاظمی: غزل نمبر ۱ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
لہر	موج، ترنگ	شریکِ سُخن	بات میں شامل ہونا
شور برپا	شور مچنا، شور ہونا	خامشی	خاموشی
خانۂ دل	گوشۂ قلب، من	بے چراغ	اجاڑ، ویران

غزل نمبر ۲ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ستمگر	ظالم، جفا کار	کوچۂ دلبر	محبوب کی گلی
شبِ فراق	جدائی کی رات	رنجِ سفر	سفر کی تکلیف
دل گرفتگی	رنجیدہ، غمگین	خاک	گردمٹّی

انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اپنے تئیں	اپنی ذات کو	جورُو	بیوی
عیوب عقلی	عقلی خرابی	سلطانِ الافلاک	آسمان کا بادشاہ
نالہ	رونا دھونا شور	عاقبت اندیش	انجام سوچنے والا
رنج وغم	دکھ	نیزۂ و بالی	مصیبت کا بھالا
شہدے	بدچلن، لفنگا	مصائب	پریشانی
عیب	بُرائی، خرابی	سرگرداں	کسی کام میں جُت جانا
زردوزی	ستارے کا کام	آدم زاد	آدمی کی اولاد
کوتاہ اندیشی	کم فہمی	وہم	شک، گمان
انواع و اقسام	مختلف قسم	ناموزوں	غیر مناسب
ہم جنسوں	ہم پیشہ، ایک جیسا	سقم	خامی، عیب، نقص

انبوہِ پُرآفات	مصیبت کے ڈھیر	انبار	ڈھیر
ہوس ہائے نفسانی	نفسانی خواہشات	ہیولانی	غیر مہذب، ناشائستہ
افلاس	غریبی	ضعف جسمانی	جسمانی کمزوری
وبال	مصیبت	مستعد	چوکس
دردِ قولنج	شدید درد جو پسلیوں کے نیچے ہوتا ہے	دِق	عاجز
جاں بلب	بے دم ہونا	نابکار	بدذات، بدکردار، نکمّا
جوع البقر	بھوک لگنے کی بیماری	سرشوری	سرکشی، خودسری
مبادلہ	باہم تبادلہ کرنا	نقص	عیب، بُرائی
گراں	ناگوار	تمسخر	مذاق
عجیب الخلقت	انوکھی شکل والا	ثُلث	ایک تہائی

مُردہ بدستِ زندہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ظاہرداری	دکھاوا	تنقیح	خالص کرنا، تفتیش
عبرت	تنبیہ	دم بھرنا	محبّت کا دعویٰ کرنا
تردید	انکار کرنا	ٹٹّو	گدھے جیسا جانور
بِھیڑ	ہجوم، مجمع	عود	ایک قسم کی خوشبو
سَقّہ	ماشکی، بہشتی	طبابت	یونانی طریقہ علاج
دِق	پریشان ہونا	خفتگانِ خاک	مرحومین
حیات	زندگی	دنیاداری	ظاہرداری، دنیاوی تعلقات
متمکن	جاگزیں، قائم، جگہ پکڑنے والا	تفویض	سونپنا
تعزیت	موت کا افسوس کرنا	تنقید	جانچ، پرکھ،
وحشت	گھبراہٹ، خوف	وضع داری	وضع نباہنے والا
تصدیق	سچّا ثابت کرنا	کسمپرسی	پرسانِ حال نہ ہو

ممات	موت، مرنا، مرگ	اعزّہ	عزیز و اقارب
قلانچیں	چھلانگیں مارنا	مفت گرم داشتن	خوامخواہ احسان جتانا
معرکتہ الآ راء	شاندار، اختلافی	فکر انگیز	فکر مندی والا
تحقیر	بے قدری، حقارت	دلداہ	عاشق، فریفتہ، مداح
شگفتہ	خوش، شاد، مسرور	تدریس	پڑھانا، تعلیم دینا
مترجم	ترجمہ کرنے والا	مرقع	تصویر ہونا
حیاتِ نو	نئی زندگی	زینت	زیبائش، سجاوٹ
فراموش	بھول جانا	ادب کا دامن	تہذیب اور شائستگی
زیرلب	آہستہ بات کرنا	بے تصنع	بناوٹ کے بغیر
سلاست	زبان کی نرمی و روانی	متانت	سنجیدگی
فصاحت	خوش کلامی، خوش بیانی	بلاغت	شیریں کلامی، بلیغ
ذکاوٹ	تیزفہمی، تیزیٔ طبع	نکتہ آفرینی	نئے معنی اور مفہوم پیدا کرنا، باریک بینی
پیکر	تن، شکل وصورت	اُجرت	کام کا معاوضہ
کانگڑے	ایک جگہ کا نام	تُرم	بگل
کٹورہ	پانی پینے کا دھاتی پیالہ	رکابی	پلیٹ
چھاج	اناج پھٹکنے والی ٹوکری	لبِ گور	قبر کے کنارے
پٹاؤ	کڑی، تختہ	سلفہ	چلم کا تمباکو
پاکھا	پہلو کی دیوار	جمِ غفیر	ہجوم، مجمع
بحث وتمحیص	بحث وتکرار	مٹّی منزل ہونا	قبر پر مٹّی ڈالنا

مرحوم کی یاد میں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بندھے ٹکے	معمول کے	کمیت	تعداد میں
پیرائیہ	عبارتی، طرزِتحریر	انشاء پردازی	مضمون نویسی

تحریف	مزاح کی آمیزش	زندہ دلی	خوش مزاجی، ظرافت
خوش گُفتار	اچھّی گفتگو کرنے والا	خوش پوشاک	عمدہ لباس پہننے والا
صاحب طرز	وہ ادیب، شاعر جس کا اپنا اسلوب ہو	ناسازگاری	عدم موافقت
طاق ہونا	ماہر ہونا	میخ	کیل
حقارت	تحقیر، کراہت	مرعوب	رعب میں آنا
یکلخت	فوراً، اچانک	باچھیں	ہونٹوں کے سرے
گھڑوں پانی پڑنا	بہت شرمندہ ہونا	ممنون	شکر گزار
نیست و نابود	تباہ و برباد، ملیامیٹ	ہوا خوری	ہوا کھانا، سیر کرنا
بارہا	متعدد مرتبہ، بار بار	عجلت	جلدی میں
چھید	سوراخ	ٹھوڑی	چہرے کا نچلا حصّہ
بھونچال	زلزلہ	طبعِ نازک	نازک مزاج
اٹھکھیلوں	کھلاڑ، شوخی	اوزار	آلات، ساز و سامان
کنکھیوں	ترچھی نظر سے دیکھنا	ضیافتِ طبع	دل بہلانا، تفریح
مشابہت	ملتی جلتی شکل، یکساں	مکّاری	فریب، دھوکا
دغا بازی	دھوکہ بازی	فطرت	سرشت، خمیر
اونے پونے	کم قیمت	تامل	سوچ بچار، غور
بُو سونگھنا	اندازہ لگانا، سمجھنا	ترساتے	للچاتے رہنا
ہم کلام	بات کرنا	لختِ جگر	بیٹا، اولاد، جگر کا ٹکڑا
بے نیاز	ضرورت نہ رہنا	شوق فرمانا	کوئی چیز استعمال کرنا
علمِ کیمیا	کیمسٹری	نُدرت	حُسن و لطافت، عمدگی
نفاست	اجلا پن، صفائی	بہتات	کثرت ہونا
بہ طرزِ خاص	خاص طریقے سے	اعلیٰ ظرفی	شائستگی

تکیہ کلام

الفاظ	معنی
تکیہ کلام	وہ بات جسے بار بار کہنے کی عادت ہو
قابلِ دید	دیکھنے کے قابل
کم فہمی	کم عقلی ، ناسمجھی
بیگار	جبری مشقّت
رشک	برابری کی خواہش
اصحاب	حضرات ، مردوں
سرفراز	رتبہ بڑھانا ، عزت دینا
امیدِ کامل	پوری امید
کھلبلی مچ جانا	گھبراہٹ ، سراسیمگی
جزائر شرق الہند	مشرقی بحرِ ہند کے جزیرے
مادّہ	عنصر
طفلانہ	بچّوں والی بات
شش و پنج میں پڑنا	مخمصے میں پڑنا
دفعتاً	یکا یک ، اچانک
قدامت پسند	پرانے خیالات
کجا یہ کجا وہ	کہاں یہ کہاں وہ
ذہین اُلطبع	فطرتاً ذہین
دُور اندیش	عقل مند ، دانا
خلل	خامی ، بگاڑ ، رخنہ
تعاقب	پیچھا کرنا

الفاظ	معنی
آڑے آنا	مصیبت میں مدد کرنا
لقمہ دینا	دوسرے کی بات کے درمیان میں بولنا
علیل	بیمار
محض	نِرا ، فقط ، سراسر
حجامت	بال کٹوانا
طویل	لمبا ، دراز
چُلّو بھر پانی میں ڈوب مرنا	غیرت دلانے کے لیے یہ محاورہ بولتے ہیں
قحط	خوراک کی قلت
نرخ	قیمت
حب الوطنی	وطن کی محبّت
دوش بدوش	برابری کی سطح پر
یکلخت	ایک دم ، فوراً
شُست	نشانہ
معرکہ	کارنامہ
نصف	آدھا
بیدار مغز	عالی دماغ ، ہوشیار
کہنہ مشق	تجربہ کار ، مشّاق
نقص	عیب ، خرابی ، خامی
نظامِ شمسی	سورج اور سیاروں کی گردش کا طریقہ

گوری سوئے سیج پر، مکھ پر ڈارے کیس

الفاظ	معنی
ہویدا	ظاہر ہونا، نمایاں
اچنبھے	تعجب
شرابور	بھیگا ہوا، تر بتر
توہم پرست	بدعقیدہ
بوسیدہ	خستہ حال
عُسرت زدہ	تنگدستی والی
سمے	وقت
خوابیدہ	سویا ہوا
گمان	خیال
بھول بھلیاں	پیچ در پیچ راستہ
ناتواں	کمزور
فرقت زدہ	جدا ہونے والا
فنا شدہ	ختم ہو جانے والا
قلق	پشیمانی، افسوس
خلق	لوگ، مخلوق
بیر	عداوت، دشمنی
ہنوز دلّی دور است	دلّی ابھی دور ہے
تزئین و آرائش	سجاوٹ
کشیدہ کاری	سجاوٹ کا کام
حُسن کرشمہ ساز	تخیّل، صلاحیت
بوالعجبی	انوکھا، عجیب، شعبدہ باز
دیدۂ حیراں	حیران کر دینے والی

الفاظ	معنی
عنایت	مہربانی، شفقت
استعجاب	حیرت
متھّا ٹیکنا	حاضری دینا
در و بام	دروازہ اور چھت
مسمار	ٹوٹا
بے سدھ	بے خبر، غافل
کوچۂ دل دار	محبوب کی گلی
بغلی پھاٹک	پہلو کا (چھوٹا) دروازہ
مرقد	مقبرہ
زائرین	زیارت کرنے والے
پُر پیچ	پیچ دار
کمر خمیدہ شجر	جھکے ہوئے درخت
جسدِ خاکی	میّت
سلاطین	سلطان کی جمع، بادشاہ
عقب	پیچھے
دستار بندی	جانشینی کی رسم
ملال	افسردگی، پژمردگی
ذوقِ سلیم	اعلیٰ ذوق
لحد	قبر
قابلِ گردن زدنی	گرفت کے قابل
مُرشد	پیر، رہنما، ہادی
نامۂ اعمال	کاموں کی تفصیلات

وجد	بے خودی کی حالت	سوز	درد، غم
غرقابی	پانی میں ڈوب جانا	تل میں تیل ہے	کچھ ملنے کی امید
دشتِ تنہائی	تنہائی کا صحرا	رگ و پے	رگ اور پٹھا
سرائیت	سما جانا، نفوذ کرنا	موجد	ایجاد کرنے والا
پیرانِ تسمہ پا	پیچھا نہ چھوڑنے والے	بحری قزاق	سمندری ڈاکو
مرقد	مقبرہ	رِند	شرابی
درخورِ اعتنا	کسی قابل نہ سمجھنا	مقفّل	تالا لگا ہونا
مسیحا	علاج کرنے والا	بادہ خوار	شراب خور، شرابی
سرگوشی	کُھسر پُھسر، کان میں چپکے سے بات کرنا	حشر کا میدان	قیامت کے بعد جس میدان میں اعمال کا حساب لیا جائے گا
پھاہے	کپڑا یا روئی جس پر مرہم لگا کر زخم پر رکھتے ہیں		

انارکلی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خواب گاہ	سونے کا کمرہ	حجرہ	کمرہ
ماہی پشت	مچھلی کی کمر جیسا	قرمزی	لال، سرخ
خوش وضع	اچّھی شکل	محراب	گول دروازہ
جھروکہ	کھڑکی، دریچہ	جڑاؤ	نگینے جڑے ہوئے
ہشت پہلو	آٹھ کونوں والا	بیش قیمت	قیمتی
مسند	بیٹھنے کی جگہ	رتن مالا	نگوں کی مالا
فرغل	چغا، لمبا کوٹ	التجا	درخواست
چکنا چور	ٹوٹ کر چھوٹے ٹکڑے ہونا	تبسّم	مسکراہٹ
سنورنا	سجنا، درست ہونا	عشوے	زلفیں
زیست	زندگی	خواجہ سرا	ہیجڑہ

منصف	انصاف کرنے والا	قہر	عذاب
لجاجت	عاجزی، منت سماجت	سایۂ عاطفت	زیرِ سرپرستی
ایذا	تکلیف	مہا بلی	زبردست، شہ زور
ظلِ الٰہی	شہنشاہ اکبر کا لقب	ملال	افسوس
پُھسلانا	بہکانا، بہلانا	داروغۂ زندان	جیل کا نگرانِ اعلی
شرفِ باریابی	ملاقات کی اجازت	تضحیک	ذلت، رسوائی
توقّف	وقفہ	لونڈی	غلام لڑکی
سماعتِ عالی	سُننے کی اعلیٰ صلاحیت	ساکت	بے حس و حرکت
مجرا بجا لانا	جھک کر سلام کرنا	بزورِ شمشیر	تلوار کے زور پر
کنجیاں	چابیاں	اوندھا	اُلٹے منھ
شہادت	گواہی	بارگاہِ عالی	اعلیٰ
ترغیب	رغبت دلانا	فتنے	شریر، چالاک

در صفتِ قناعت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
قناعت	جو ملے اس پر راضی ہونا	یاں	یہاں
زماں	زمانہ	بہرہ ور	خوش نصیب
عز و جاہ	عزت اور شان	ولے	لیکن، مگر
سیم و زر	چاندی اور سونا، مال و دولت	افتخار	فخر، عزت
دوست دار	خیر خواہ، ہم راز	عُسرت	تنگی، دشواری
مہر	محبّت، دوستی، اُلفت		